مستشرقین

اور

انگریزی تراجم قرآن

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مضامین

مرتبہ

پروفیسر اختر الواسع

مکتبہ قاسم العلوم

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مضامین

مرتبہ

پروفیسر عبدالواسع

نام کتاب

مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے مضامین

مرتبہ

پروفیسر اختر الواسع

اہتمام ——— ملک اسد علی قاسمی

مطبع ——— نوید حفیظ پریس

ناشر ——— مکتبہ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹرز

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان

042-37231119 , 0321-4021415

علوم قرآنی کے شناور اپنے محترم اساتذہ

پروفیسر (مولانا) محمد تقی امینی مرحوم

پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری مرحوم

پروفیسر ایم۔ سالم قدوائی

کے نام

فہرست

حرفِ آغاز

پیشِ نظر مجموعۂ مقالات کا بنیادی موضوع استشراق Orientalism کی مغرب میں صدیوں سے رائج علمی روایت ہے۔ اسلامیات کے طلبا کے لئے استشراق کا مطالعہ صبر آزما ہونے کے باوصف نہایت بصیرت افروز ہے کہ اس آئینے میں اہلِ مغرب/یوروپ/عیسائیت/کلیسا (Church) کے صدیوں کو محیط ہر طرح کے تعصبات، تحفظاتِ ذہنی، مزعومات، تسامحات اور خدشات کے عکس بالکل واضح طور پر نظر آتے ہیں جو اشتعال انگیز بھی ہیں اور عبرت ناک بھی۔ بعض لائقِ تحسین بھی ہیں لیکن زیادہ تر قابلِ رحم بلکہ مضحکہ خیز ہیں۔ استشراق کی تاریخ کا مطالعہ ایک مخصوص نقطۂ نظر کی نمائندہ تاریخ اسلام کے مطالعے کے مترادف ہے۔ استشراق کے ظہور میں آنے اور پروان چڑھنے کے چند اہم تاریخی عوامل یہ رہے ہیں:

اپنے منظرِ عام پر آنے کے معاً بعد اسلام کا برق رفتاری سے اسپین، مشرقی یوروپ سمیت دنیا کے بہت بڑے حصے پر سیاسی، عسکری، فکری اور تہذیبی اقتدار اور برتری۔ یورپ اور عالمِ اسلام کے مابین صلیبی جنگیں (1271-1096)۔ بازنطینی عیسائی سلطنت کا نیست و نابود ہونا۔ یوروپ میں سلطنت عثمانیہ کی قوت قاہرہ۔ عالمِ اسلام میں یوروپی استعمار وغیرہ۔ ان اسباب کی بناء پر مغرب اور عالمِ اسلام یا عیسائیت اور اسلام کے مابین پیہم آویزش بلکہ محاربے رہے اور باہمی اختلاف بلکہ دشمنی کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی۔ سیاسی محاذ پر خلافت عثمانیہ کے سقوط، مسلم ممالک پر مغرب کی نیم عسکری، فکری اور ثقافتی یلغار اور آج ہمارے عہد میں تہذیبوں کے

تصادم 'Clash of Civilizations' 9 ستمبر 2001 اور اس کے بعد پے در پے دہشت گردی کے قابل نفریں اور ناقابل دفاع واقعات، مغرب میں اسلام دشمنی (Islamophobia) کی لہر، اور یکے بعد دیگرے متعدد مسلم ممالک میں مغربی قوتوں کی جارحانہ دراندازی اُسی صدیوں طویل بُعد، بغض وعناد کا شاخسانہ ہیں۔ لہٰذا یہ حقیقت بھی چنداں حیرت انگیز نہیں کہ استشراق کی بظاہر علمی روایت بباطن اسی مذہبی، فکری اور تہذیبی مناظرے اور مجادلے سے عبارت رہی ہے۔ سائنسی اندازِ فکر، تجربی اور معروضی منہج تحقیق، اور سیکولر-لبرل (Secular-Liberal) اقدار کے رواج کے باوصف اسلام، قرآن مجید اور مسلمانوں سے متعلق بیشتر مغربی تصانیف تعصبات اور تسامحات سے پُر ہیں۔ اس کی نمایاں مثال مستشرقین کے انگریزی تراجم قرآن مجید ہیں۔ فن ترجمہ کا انتہائی بنیادی اور بالکل سادہ اصول ہے کہ اصل متن کو مکمل احتیاط اور ایمانداری کے ساتھ کسی دوسری زبان میں من وعن منتقل کردیا جائے۔ البتہ اگر مترجم اصل تصنیف کے متن ہی میں قطع برید کردے، اس کے معنی اور مطلب کو مسخ کرکے پیش کرے اور اصل تصنیف کے بارے میں شدید شکوک پیدا کرے تو اسے ترجمہ نہیں بلکہ ناانصافی اور قارئین سے خیانت کہا جائے گا۔ شومئی قسمت سے مستشرقین کے انگریزی تراجم قرآن مجید اسی طرح کی بددیانتی اور معائب سے داغدار ہیں۔

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی علمی دنیا میں اپنی نمایاں شناخت کے ساتھ اس علمی روایت کے امین ہیں جس کا آغاز ہندوستان میں انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے حوالے سے مولانا عبدالماجد دریابادی سے ہوا۔ انہوں نے ایک طویل عرصہ استشراق کی 'علمی روایت' کے مطالعے میں گزارا ہے اور اس حوالے سے مختلف تحقیقی مقالے علمی مجلات میں شائع کیے ہیں۔ انہی میں سے چند کا انتخاب یہ مجموعہ ہے۔

اس مجموعہ کے پہلے مفصل مقالے ''قرآن مجید کے انگریزی تراجم: ایک تنقیدی جائزہ'' میں مستشرقین کے تراجم کے پس منظر، ان کے مناظرانہ، مجادلانہ اور دیگر پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس تاریخی جائزے میں قادیانی مترجمین کی فتنہ انگیزی پر بھی گرفت کی گئی ہے نیز مسلمان اہل قلم کی کاوشوں کو نقد ونظر کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقالے میں قارئین کا 79

مکمل انگریزی تراجم سے تعارف کرایا گیا ہے تاکہ وہ ان مترجمین کے ذہنی اور فکری رجحانات، ان کے تراجم کے امتیازات اور نقائص سے آگاہ ہوں۔ انگریزی میں قرآن مجید کے تراجم کی کثرت کے باوصف ابھی تک ان کا تنقیدی محاسبہ نہیں ہوا ہے۔ توقع ہے کہ اس مقالے سے یہ خلا کسی حد تک پورا ہوگا۔ اس نوع کے تنقیدی مقالات کی اشد ضرورت ہے تاکہ سادہ لوح، ناواقف قارئین ترجمے کے نام پر ضلالت کا شکار نہ بن جائیں۔ مستشرقین، قادیانی اور بعض بے احتیاط مترجمین نے ترجمے کے نام پر جو گل کھلائے ہیں اس کے پیش نظر یہ احتساب بڑے پیمانے پر اور عام طور پر ہونا چاہئے۔ حسن اتفاق سے 1985 سے اب تک 70 سے زائد انگریزی تراجم پر انگریزی مجلوں میں تبصرے کرنے کی سعادت پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کو حاصل رہی، اس لحاظ سے یہ تنقیدی جائزہ براہ راست، مستند معلومات پر مبنی ہے۔

ان 79 تراجم پر نقد و نظر کی روشنی میں قدرۃً اگلا سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ معیاری انگریزی ترجمہ کیسا ہو؟ اس کے مندرجات کس نوعیت کے ہوں؟ اس کا منہج کیا ہو؟ وہ کن امتیازات کا حامل ہو؟ وہ قارئین کی رہبری کیسے کرے؟ اگلے مقالے ''مطلوبہ معیاری انگریزی ترجمہ: تقاضے اور خصائص'' میں ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ذکر ابھی قرآن مجید کے بارے میں مستشرقین کی فتنہ پروری کا ہوا۔ تیسرے مقالے ''قرآن مجید کے بارے میں مستشرقین کا علمی تعاقب'' میں دو مسلمان فضلا کی حالیہ گراں قدر تصانیف کا تعارف ہے۔ ان کی بیش بہا تصانیف نے مستشرقین کے وضع کردہ جعل و فریب کا پردہ چاک کرنے کا کارنامہ بڑی حد تک اور بخوبی انجام دیا ہے۔ چوتھا مقالہ امریکی مستشرق Thomas Cleray (پ 1949) کے منصفانہ اور علمی اعتبار سے موقر ترجمۂ قرآن مجید کے تعارف پر مشتمل ہے۔ پانچواں مقالہ اصلاً ''پروفیسر مجیب میموریل لکچر'' کا متن ہے۔ یہ لکچر 30 اکتوبر 2013 کو جامعہ اسلامیہ میں ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے سلسلہ خطبات میں پیش کیا گیا تھا۔ قارئین کے مزید مطالعے کے لئے زیر بحث 79 مکمل انگریزی تراجم کی فہرست اور استشراق اور تراجم قرآن مجید کے موضوعات پر منتخبہ کتابیات بھی شامل ہیں۔

مستشرقین کی زد میں صرف قرآن مجید ہی نہیں، سیرۃ طیبہ بھی ہے۔ اس اجمال کی کچھ تفصیل ''سیرۃ طیبہ پر مستشرقین کی تصانیف'' میں درج ہے۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ اس مجلے میں شامل بیشتر مقالات اپنی ابتدائی صورت میں فکر ونظر، اسلام آباد، پاکستان، تحقیقات اسلامی، مجلہ علوم القرآن، تہذیب الاخلاق اور فکر ونظر، علی گڑھ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب معتد بہ حذف اور اضافے کے ساتھ انہیں اس خصوصی شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے تراجم پر تبصرے میں حتی الامکان غیر جانبداری برتنے کی کوشش کی ہے۔

ہمارے لئے یہ بات فرحت واطمینان کی ہے
کہ اسے پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے ان گراں قدر مقالات کو ایک ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ یہ مجموعہ علمی دنیا میں ایک قابل قدر اضافہ ثابت ہوگا اور قرآن مجید کے انگریزی تراجم کے مطالعہ اور ان کے بارے میں بحث وتحقیق کا ایک نیا دروازہ اس کے ذریعہ کھلے گا۔

اخترالواسع

عبدالرحیم قدوائی

قرآن مجید کے انگریزی تراجم: ایک تنقیدی جائزہ

پس منظر

انگریزی میں تراجم قرآن کی روایت صرف ایک علمی سرگرمی کا نام نہیں بلکہ یہ صدیوں کو محیط بین المذہبی مکالمے اور مناظرے، تقابلِ ادیان، ثقافتی تاریخ اور دورِ حاضر میں اسلام کی دعوت اور احیاء کی بھی مظہر ہے۔ بدقسمتی سے اس روایت کا آغاز ایک علمی کارِ عظیم کے طور پر نہیں ہوا بلکہ اس کے پس پشت مذہبی عناد اور تعصب موجزن تھا۔ دراصل انگریزی کے مولد اور وطن انگلستان اور پورے یورپ میں اسلام کا ابتدائی تعارف عملاً ایک دشمن اور حریف کے طور پر ہوا۔ مغرب کا اوّلاً تجربہ اسلام کے بارے میں یہ رہا کہ یہ نیا مذہب اپنی اخلاقی، روحانی، تمدنی، مادی اور عسکری برتری کی بناء پر یورپ کے اردگرد اور مختلف خطوں میں اپنا اقتدار قائم کر رہا تھا۔ اس کی حیثیت بلاشبہہ فاتحِ عالم کی تھی۔ اہل یورپ، بالخصوص ان کے اربابِ حل وعقد اور کلیسا کو یہ خطرہ ہمہ وقت تھا کہ اسلام کا اگلا ہدف عیسائیت اور یورپ ہوں گے۔ لہٰذا انھوں نے یہ حکمت عملی وضع کی جو جارحانہ بھی تھی اور مدافعانہ بھی، یعنی اسلام کی تصویر ایسی مسخ کر کے پیش کی جائے کہ اہل یورپ کے لئے اس میں کوئی کشش نہ رہے اور اس کا مطلق کوئی امکان نہ رہے کہ یورپ کا کوئی باشندہ اسلام کی جانب راغب ہو۔ تعصب اور نفرت کے ان ہی جذبات کا ایک مظہر صلیبی جنگیں (1096 سے 1271 تک) بھی ہیں جن کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عصبیت کو قومی نفسیات میں راسخ کرنا تھا۔

اس نکتے کی وضاحت انگریزی میں ترجمۂ قرآن کی ابتداء اور مغرب میں اس کی تقریباً

چار سو سال قدیم روایت سے ہوتی ہے کیونکہ بیشتر غیر مسلم انگریزی مترجمین قرآن کا باضابطہ تعلق کلیسا سے رہا ہے، متعدد مترجم کلیسا کے عہدے دار تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

قرآن مجید کے اولین یورپی مترجم Robert of Ketton ہیں جو بمقام Ramplona کلیسا میں Archdeacon کے منصب پر فائز تھے۔ یہ ترجمہ انھوں نے فرانسیسی راہب اور مقام Cluny کے Abbot کے عہدے پر مسند نشین پیٹر Peter (1050ء سے 1115) کے حکم پر کیا تھا۔ پیٹر کی شعلہ بیان اور نفرت انگیز تقاریر کے باعث ہی پہلی صلیبی جنگ بھڑکی تھی۔ انھوں نے بہ نفس نفیس اس صلیبی لشکر کی قیادت کی تھی جس کا مقصود بیت المقدس کی بازیابی تھا۔ چونکہ ترکوں نے اس لشکر کو ترکی کی سرحد پر ہی زیر کرلیا تھا ان کو نامراد واپس ہونا پڑا۔ رابرٹ کا یہ ترجمہ لاطینی زبان میں 1143 میں مکمل ہوا۔ چونکہ طباعت اس دور میں رائج نہ تھی اس کے قلمی نسخے زیر استعمال رہے۔ پہلی مرتبہ یہ 1543 میں زیور طبع سے آراستہ ہوا[1]۔ یہ ترجمہ اغلاط سے پُر اور ناقص ہے۔ جابجا قرآنی آیات کے ترجمے ساقط ہیں۔ مزید ستم یہ کہ متنِ قرآنی میں بعض محذوف یا بین السطور نکات کو مترجم نے اپنی ذاتی آراء کے مطابق بے محابا بیان کیا ہے اور قرآن کی انتہائی غلط ترجمانی کی ہے۔ بدقسمتی سے یہ ناقص اور بغض اور عناد سے مملو ترجمۂ قرآن عرصہ تک اہلِ مغرب کے لئے اسلام اور قرآن کے ماخذ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔

دوسرا اہم ترجمہ لاطینی زبان میں Father Ludovic Maracci کا ہے جو 1698 میں شائع ہوا[2]۔ یہ کلیسا میں اہم منصب پر فائز ہونے کے علاوہ Pope Innocent XI کے دستِ راست بھی تھے۔ یہ دونوں لاطینی تراجم اس اعتبار سے اہم ہیں کہ ان کی اساس پر یورپی زبانوں میں بعد میں تراجم رفتہ رفتہ شائع ہوئے۔

مستشرقین کے تراجم

انگریزی کے اولین مترجم الیگزینڈر راس Alexander Ross (1592-1654) ہوئے ہیں۔ یہ حکمراں وقت چارلس اول کے درباری پادری تھے اور مناظرہ بازی سے ان کو خاص شغف تھا۔ ہر چند کہ ان کی شہرت مذاہب عالم کے ماہر کی تھی لیکن ان کے علم ونظر کی کوتاہی بلکہ

متعصبانہ ذہن کا آئینہ دار ان کے ترجمہ قرآن کا یہ گمراہ کن عنوان ہے:

The Alcoran of Mahomet, Translated out of Arabic for the satisfaction of all that desire to looking into the Turkish Vanities.

راس کی تحقیق کے مطابق نہ صرف قرآن مجید [معاذ اللہ] حضور مقبول ﷺ کی تصنیف ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کا تعلق صرف سلطنت عثمانیہ کے مذہب اور باشندوں سے ہے۔ ان کے ترجمہ قرآن کے عنوان میں اسلام دشمنی کے صریح اظہار کے باوصف کونسل آف اسٹیٹ، انگلستان کو یہ خدشہ ہوا کہ عثمانی ترکوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی اور عسکری اثر اور رسوخ کے باعث کہیں قرآن مجید انگلستان کے معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہ کرلے اس لئے 21 مارچ 1649 کو اس ترجمہ قرآن کی اشاعت پر پابندی عائد کردی گئی۔ اس خدشے کو رفع کرنے اور ترجمہ قرآن کے پس پشت اپنے مذموم اغراض اور مقاصد کی وضاحت کے لئے راس نے اس تصنیف میں دو مقدموں کا اضافہ کیا جن کے عنوان ان کے مندرجات کے عکاس ہیں[۳]:

۱۔ A Summary of the Religion of Turks

(ترکوں کے مذہب کا مختصر تذکرہ)

۲۔ The Translator to the Christian Reader

(عیسائی قارئین کے نام مترجم کا پیغام)

ان دونوں مقدموں کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ ترکوں کا مذہب ایک بدعت اور جعل ہے جس کے اثر و نفوذ کا انگلستان میں کوئی امکان نہیں اور اس کے ترجمے کا مقصد عیسائی قارئین کو اس باطل مذہب کے خلاف خبردار کرنا ہے۔ راس کا یہ بیان صفائی تسلیم کرلیا گیا اور بالآخر 1649 میں یہ ترجمہ شائع ہوا[۴]۔ مناظرہ بازی سے قطع نظر یہ ترجمہ معمولی معیار پر بھی پورا نہیں اترتا۔ اولاً یہ Du Ryer کے فرانسیسی ترجمہ قرآن (1647) کا ہو بہو انگریزی چربہ ہے[۵]، کیونکہ راس عربی سے مطلق ناواقف تھے۔ راس کی اس علمی خیانت کی مذمت ممتاز مستشرقین مثلاً ہنری سٹب، جارج سیل اور سموئل زیویمر نے کی ہے[۶]۔ راس کی اس تصنیف میں کسی اسلامی ماخذ کا حوالہ نہیں

ملتا۔ اس کی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے کہ وہ عربی سے نابلد اور تفسیر اور حدیث کے سرمایے سے ناواقف تھے لیکن ان کی یہ دیدہ دلیری حیرت انگیز ہے کہ انھوں نے متعدد اقوال اختراع کرتے ہوئے انھیں حضور اکرم ﷺ سے منسوب کردیا ہے۔ وضعِ حدیث کی یہ ایک دلچسپ مثال ہے۔ راس کی یہ تصنیف مستشرقین کی اسلام مخالف تصانیف کی اس لحاظ سے مکمل نمائندہ ہے کہ اس میں ان کے تمام معائب جلوہ گر ہیں مثلاً اسلام کے بنیادی مآخذ سے ناواقفیت، مناظرانہ ذہن، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق محض بغض اور عناد اور قارئین کو اسلام سے بدظن کرنے کی ہر ممکن کوشش۔ حیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ ایسا سطحی ترجمۂ قرآن تقریباً سو سال تک رائج رہا اور اس کے 18 ایڈیشن شائع ہوئے۔

اگلے مترجم جارج سیل George Sale (1697-1736) ہوئے ہیں۔ انھیں انجمن برائے فروغِ علمِ عیسائیت، لندن (Society for Promoting Christian Knowledge) نے بلاد اسلامیہ میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے عہد نامہ جدید (New Testament) کے عربی ترجمے پر مامور کیا تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے قرآن مجید پر اپنی توجہ مرکوز کی، ترجمۂ قرآن کے پس پشت ان کے معاندانہ اور مناظرانہ اندازِ فکر ان کے دیباچے کی ان سطور سے عیاں ہے: ''جو لوگ عیسائیت کے دشمن ہیں یا اس کی تعلیم سے بالکل ہی لاعلم ہیں وہی افراد اسلام جیسے کھلے ہوئے جعل سے متاثر ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ اشد ضروری ہے کہ اس جعل کا پردہ فاش کیا جائے۔ یہ امتیاز پروٹسٹنٹ فرقے کو حاصل ہے کہ اس نے قرآن مجید کی تردید کی۔ مشیت الٰہی نے یہ اعزاز اس فرقے کے لئے مخصوص کردیا ہے'' اپنے دیباچے میں سیل نے اس حکمت عملی کا بھی تذکرہ کیا ہے جس پر کاربند رہ کر عیسائی مشنری مسلمانوں کو عیسائیت کی آغوش میں لانے میں کامران ہوسکتے ہیں۔ اس ترجمۂ قرآن کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ 1734 میں شائع اس ترجمے کے اب تک 160 سے زائد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں جس میں 70 امریکہ میں طبع ہوئے۔ 1950 کے عشرے سے اس کی مقبولیت میں قدرے کمی آئی ہے۔ اس کا دیگر یورپی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا۔

راس کے برخلاف جارج سیل عربی کے ماہر تھے لیکن اسلام کے خلاف بغض وعناد نے

ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ وہ متعدد مقامات پر متنِ قرآنی کے دانستہ غلط ترجمہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً ''یاایھا الناس'' کے معروف قرآنی خطاب کا ترجمہ انھوں نے ''اہل مکہ'' یا ''اہل عرب'' کر کے قرآن مجید کے آفاقی خطاب اور پیغام کو صرف خطۂ عرب تک محدود کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ سورہ البقرہ آیت 191 میں مذکور ہے کہ فتنہ انگیزی قتل سے زیادہ شدید اور قبیح ہے۔ سیل نے فتنہ کا ترجمہ بت پرستی سے کیا ہے تاکہ قارئین پر یہ تاثر قائم ہو کہ اسلام غیر مسلموں کے وجود تک کو برداشت نہیں کرتا اور ان کو تہہ تیغ کرنا اس کا واحد مقصد ہے گویا اسلام کو دہشت گردی سے موسوم کرنا آج کا تازہ ترین حربہ نہیں، اٹھارویں صدی کے جارج سیل تک اس بے بنیاد اور باطل مفروضے کے موید اور مناد تھے۔ سورہ المائدہ آیت 12 میں ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دیا جائے، سیل نے اسے سودی کاروبار سے تعبیر کیا ہے۔ اسلام میں سود کی حرمت کے بدیہی حکم سے واقف ہونے کے باعث سیل کی یہ تعبیر اور تشریح ان کی اسلام دشمنی کی غماز ہے۔ مختصراً سیل کے ترجمے میں درج ذیل پانچ معائب پائے جاتے ہیں: (۱) صحیح ترجمے کے بجائے ذاتی آراء پر مبنی آزاد ترجمانی، (۲) دانستہ غلط ترجمانی، (۳) جابجا قرآنی الفاظ اور تراکیب کو حذف کرنا، (۴) اسلامی عقائد اور احکام کو عیسائی اصطلاحات کے قالب میں پیش کرنا تاکہ یہ تاثر پختہ ہو کہ اسلام عیسائیت سے ماخوذ اور بلکہ اس کی ناقابل التفات، مسخ شدہ شکل ہے اور (۵) ترجمے میں ایسے الفاظ اور تصورات کی شمولیت جو اصل قرآنی متن میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ غرضیکہ اس ترجمے کے پس پشت سیل کا مقصود قرآن مجید کے پیغام کو مسخ کرنا تھا تاکہ اس دور کے عیسائی انگریزی داں قارئین اس کی جانب مطلق توجہ نہ کریں۔ ترجمۂ قرآن کے ابتدائیہ کے طور پر سیل نے ایک مفصل مقدمہ بعنوان A Preliminary Discourse on Islam تحریر کیا ہے جو اسلام کو مسخ کرنے کی ایک دستاویز ہے۔ اپنے جامع تبصرے میں غلام سرور اور مہر علی نے ان کے گمراہ کن مندرجات کا تعاقب کیا ہے[۸]۔

اگلے قابل ذکر مترجم جان میڈوز راڈویل John Meadows Rodwell (1808-1900) لندن میں واقع سینٹ ایتھل برگ کلیسا کے Rector کے منصب پر جلوہ افروز رہے۔ اسلام اور قرآن مجید کی حقانیت کی تردید میں انھوں نے اپنے پیش رو جارج سیل کی

برعکس یہ حکمت عملی وضع کی کہ مسلمانوں کو تبدیلیٔ مذہب اور عیسائیت پر آمادہ کرنے کے بجائے ان کے دل و دماغ کو قرآن مجید کے خلاف مسموم کیا جائے۔ ان کے مطالعہ قرآن کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ اسلام کا فی نفسہٖ کوئی وجود نہیں، وہ یہودیت اور عیسائیت سے ماخوذ ملغوبے سے زیادہ کچھ نہیں اور موجودہ مصحف قرآنی ترتیب اور تدوین کے لحاظ سے حد درجے ناقص ہے۔ وہ سورتوں کی توقیفی ترتیب کے بجائے نزولی ترتیب پر یقین رکھتے ہیں اور اپنے اس مفروضے کو انھوں نے شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ راڈویل اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے اور اس کا اعتراف بھی انھوں نے کیا ہے کہ متعدد سورتوں کے اجزاء مختلف اوقات میں نازل ہوئے اس حقیقت کے پیش نظر سورتوں کی نزولی اعتبار سے ترتیب ایک فعل عبث ہے، مثال کے طور پر انھوں نے سورہ العلق کو قرآن مجید کے مصحف میں اولین سورہ قرار دیا ہے۔ اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیات بلاشبہ اولین ترین وحیٔ الٰہی پر مشتمل ہیں لیکن اسی کے پہلو بہ پہلو یہ حقیقت بھی مسلّم اور معروف ہے کہ اسی سورہ کی بقیہ آیات 19-6 خاصے عرصے بعد نازل ہوئیں اور اس اثناء میں متعدد دیگر آیات بلکہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں لہٰذا سورہ العلق کو نزولی یا تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اولین سورۃ قرار دینا ایک لاطائل سعی ہے جس سے کوئی علمی مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔

راڈویل نے قرآن کریم کے مندرجات کو بھی استہزاء اور استخفاف کا نشانہ بنایا ہے۔ مثلاً سورہ الروم کی آیت 2 میں مذکور رومیوں کے مغلوب ہونے اور چند ہی سال بعد غالب ہونے کی پیشن گوئی کا بطور خاص اس بنیاد پر مذاق اڑایا ہے اور یہ بہتان تراشا ہے کہ اس آیت میں درج فعل ''غــلــبــت'' پر دانستہ کوئی حرکہ/ اعراب نہیں استعمال کیے گئے تاکہ یہ رومیوں کے غالب یا مغلوب ہونے کی دونوں صورتوں میں اس سے بعد میں مطلوبہ معنی برآمد کیے جائیں اور اس پیشن گوئی کے ثابت ہونے کو اسلام کی حقانیت کا ثبوت قرار دیا جائے۔ راڈویل کے اس لچر تبصرے پر مزید کسی تبصرے کی حاجت نہیں کہ اعراب کے بغیر اس قرآنی لفظ ''غُــلِبَــت'' کی تلاوت یا قرأت کیسے ممکن تھی اور اگر فعل معروف ''غَـلَبَـت'' کے طور پر اس کی قرأت کی جاتی تو اس کی آیات 3-2 کے معنیٰ بالکل خبط ہو جاتے ہیں کیونکہ فعل معروف کی شکل میں ان آیات 3-2 کا ترجمہ یہ ہوتا: ''نزدیکی سرزمین پر رومی غالب ہو گئے ہیں۔ لیکن اپنے مغلوب ہو جانے کے بعد وہ

عنقریب غالب ہوجائیں گے"۔ ایک عام آدمی تک سے ایسے بے معنی کلام کی توقع نہیں کیا جاتی چہ جائیکہ کلام الٰہی سے۔

ہر چند کہ اپنے پیش رو سیل کی طرح وہ عربی سے بخوبی واقف تھے، ان کے فتنہ خیز ذہن نے قرآنی صیغۂ خطاب "عبد" کی یہ تشریح کی ہے چونکہ مکہ اور حجاز کے چند غلام ہی قرآن پر ایمان لائے تھے لہٰذا قرآن نے صرف انھیں ہی مخاطب کیا ہے۔ ان فاش غلطیوں کے باوصف اس ترجمۂ قرآن کے پچاس سے زائد ایڈیشن منظر عام پر آئے اور اہل مغرب کے اسلام اور قرآن سے نفور شدید اور پختہ کرنے میں اس نے اپنا کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے استاد ایڈورڈ ہنری پالمر Edward Henry Palmer (1840-1882) نے مشہور جرمن مستشرق میکس میولر کے علمی منصوبے مشرقی صحائف سماوی کے تراجم کے ذیل میں 1880 میں قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ان کے اعتراض اور شدید تنقید کا نشانہ قرآن مجید میں مستعمل عربی زبان ہے جو ان کے بقول ادبی محاسن، سلاست اور فصاحت سے عاری ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ترجمے کے آئینے میں پالمر خود عربی سے ناواقف نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر زیادہ تر مقامات پر انھوں نے "ال" اور "فا" کا ترجمہ نظر انداز کر دیا ہے گویا ان الفاظ کی عربی محاورۂ زبان میں کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اسی طرح ضمائر کے تعین میں بھی ان سے سنگین غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ مثلاً سورہ القصص آیت 46 میں مسلمانوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے خطاب کو انھوں نے یہود ونصاریٰ کو مخاطب قرار دیا ہے جس کے باعث آیت کے معنی اور مراد بالکل مختلف ہوگئے ہیں۔ بعض آیات کا ترجمہ ان سے ساقط ہوگیا ہے، سورہ ص آیت 29 کا ترجمہ بھی غیر واضح ہے۔ ان کو عربی زبان میں رائج قرآنی تراکیب اور محاوروں پر بھی اعتراض ہے کہ ان کی دانست میں اسی باعث عربی زبان ادبی اور فنی لحاظ سے پست ہے۔ اپنے جامع اور چشم کشا تبصرے میں ایک مستشرق A.R.Nykl نے اس ترجمۂ قرآن میں 70 سے زائد سنگین غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جو متن قرآن کو مسخ کرنے کے مترادف ہیں[9]۔

اپنے پیش رو مترجمین کے برخلاف پالمر کا تعلق کلیسا سے نہ تھا البتہ وہ مصر میں برطانوی خفیہ جاسوسی ایجنسی کے کارپرداز کے طور پر تعینات تھے اور سازش میں ناکامی کی بنا پر مصر ہی میں قتل کر دیئے گئے۔ اس ترجمۂ قرآن کی خود مغرب میں بھی پذیرائی نہیں ہوئی، اب تک اس کے کُل 23 ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

اگلے اہم مترجم رچرڈ بیل Richard Bell (1876-1952) اسکاٹ لینڈ میں واقع Wamphray کے قصبے میں کلیسا کے پادری تھے۔ عیسائیت اسلام اور عربی زبان میں اختصاص حاصل کر لینے کے بعد وہ ایڈنبرا یونیورسٹی، اسکاٹ لینڈ میں عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ اسلام پر ان کی اولین تصنیف کا عنوان The Origin of Islam in its Christian Environment (1926) ان کے اس عقیدے کا آئینہ دار ہے کہ اسلام اپنے عقائد، شعائر اور احکام کے لئے عیسائیت کا مرہون منت ہے۔ بالفاظ دیگر عیسائیت اصلی اور حقیقی اور اسلام نقلی اور جعلی ہے۔ ان کی تصنیف Introduction to the Quran (1953) میں اسلام اور قرآن کے خلاف ان کا عناد اور نمایاں ہے۔ ان کے بقول حضور اکرمؐ اپنے بنیادی عقائد تک میں مستقل تبدیلی کرتے رہے اور ان کے تمام تصورات یہودی اور عیسائی مآخذ سے مستعار ہیں البتہ اس خام مواد پر آپؐ نے مقامی ضروریات اور مصالح کے پیش نظر رنگ اور روغن چڑھایا۔ متن قرآن مجید اور اس کی جمع اور تدوین کے بارے میں ان کی درج ذیل آراء ان کے مسموم اور گمراہ کن ذہن کی عکاس ہیں۔ ان کے بقول حالات کے زیر اثر حضور اکرم ﷺ قرآن مجید کا پیغام تبدیل کرتے رہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کے مابین فرق کو بیل نے اسی حکمت عملی پر محمول کیا ہے۔ مزید برآں البقرہ آیت 34 میں لفظ ابلیس آیا ہے اور آیت 36 میں شیطان۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف نام دو جدا مآخذ سے نقل کئے گئے ہیں۔ آپؐ کے اقوال صرف مختصر فقروں پر مشتمل تھے لیکن موجودہ مصحف میں یہ خلط ملط ہو گئے ہیں اور اسی باعث متن قرآن غیر مربوط اور غیر منظم ہے۔ چونکہ آپؐ کے اقوال مختلف افراد نے متعدد اشیاء پر نقل اور تحریر کئے لہٰذا ان میں کوئی باہمی نظم یا ربط نہیں ہے، اس کے علاوہ آپؐ کی بعض یادداشتیں صرف آپؐ کے وقتی استعمال کے لئے تھیں وہ قابل رد تھیں لیکن غلطی سے

مصحف میں شامل ہوگئی ہیں۔ اس غیر منطقی، بے سروپا ہرزہ سرائی پر صرف حیرت کا اظہار کیا جاسکتا ہے کہ کروڑوں افراد کے لئے انتہائی مقدس اور ہر لحاظ سے بیش بہا صحیفے کے لئے بیسویں صدی کا کوئی شخص جس پر اسلامیات کا استاد ہونے کی تہمت بھی ہو ایسے بے بنیاد اور رکیک حملے بحالت ہوش وحواس کرسکتا ہے۔ متن قرآن کی نزولی/زمانی ترتیب کا جوشوشہ راڈویل نے چھوڑا تھا، بیل نے اس کی مضحکہ خیز حد تک توسیع کی۔ اپنے ترجمۂ قرآن میں انھوں نے تقریباً ہر قرآنی آیت کی تاریخِ نزول اپنے محدود اور ناقص علم کی بنیاد پر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی رائے میں توفیقی ترتیب بالکل غلط اور تحریفات سے پُر ہے۔ ان کے ادّعا کی لَے ایسی تند و تیز ہے کہ ان کے بقول سورۂ البقرہ کی آیت 206,207,208 اصلاً یادداشت کے مرقع ہیں جو کسی غلط فہمی کی بنا پر متن قرآن میں شامل ہوگئے ہیں۔ کم وبیش ہر آیت قرآنی کی صحت کے بارے میں انھوں نے اسی انداز کی گہرافشانی کی ہے۔ ان کی اس دیدہ دلیری کی مذمت ان کے ہم عصر مستشرق الفریڈ گیوم نے ان الفاظ میں کی ہے: ''مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ بیل نے متن قرآن کو اس بُری طرح مجروح کیا ہے کہ میں ان کا ترجمہ استعمال نہیں کرسکتا۔ محض اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر اور انتہائی موضوعی انداز میں آیات کی قطع و برید کرنا اور بعض آیات کے نصف کو ساقط کردینا اور قرآنی فقروں کو متن سے خارج کردینا، متن کی تحلیل اور تنقید کے زمرے میں نہیں آتے۔ قارئین اس تاثر میں قطعاً حق بجانب ہوں گے کہ اس شخص (بیل) کے ہاں اعتدال اور توازن بالکل ہی مفقود ہیں''۔[۱۰]

1955 میں نامور مستشرق آرتھر جان آربیری Arthur John Arberry (1905-1969) کا ترجمہ منظر عام پر آیا۔ یہ علوم اسلامیہ اور عربی اور فارسی زبان کے معروف عالم اور محقق ہوئے ہیں۔ آربیری کی یہ تصنیف مغرب میں قرآن مجید کے خلاف معاندانہ روش سے خوشگوار انحراف کا درجہ رکھتی ہے۔ آربیری کلیسا سے متعلق نہ تھے، ان کا طرزِ فکر بھی مناظرے یا مجادلے کا نہیں بلکہ ان کے دیباچے میں قرآن مجید کے اعجاز اور اثر آفرینی کا اعتراف ہے۔ چونکہ یہ ترجمہ حواشی سے عاری ہے اس لئے ان کے ذہن کا کچھ حال کھلتا نہیں البتہ یہ امر ناقابل توجیہہ اور حیرت انگیز ہے کہ برطانیہ کی ممتاز دانش گاہوں یعنی لندن اور کیمبرج یونیورسٹیوں میں

عربی کے استاد کے منصب پر فائز ہونے کے علی الرغم ان کے ترجمے میں زبان و بیان کی بعض فاش غلطیاں ہیں، بعض مقامات پر آیت کے اجزاء کا ترجمہ ساقط ہوگیا ہے۔ یہ امر حیران کن ہے کہ 1955 میں پیش اپنے ترجمے میں آربیری نے قدیم بلکہ متروک انگریزی زبان استعمال کی مثال کے طور پر سورہ الفاتحہ کے ترجمے میں Art, Hast, Thee, Thou جیسے نامانوس اور بڑی حد تک ناقابل فہم الفاظ کا استعمال قرآن فہمی میں مانع ہے۔ اسی طرح آل عمران آیت 43، الذاریات آیت 4، اور الممتحنہ آیت 12 کے ترجمے میں انھوں نے متعدد قرآنی الفاظ اور تراکیب کو نظر انداز کردیا ہے جو ان کے علمی مرتبے کو زیب نہیں دیتا۔ کم از کم ایک درجن سے زائد آیات کا ترجمہ گمراہ کن حد تک غلط ہے۔ عربی زبان پر ان کی دسترس کے پیش نظر ان کی یہ اغلاط ناقابل دفاع ہیں۔ بعض مقامات پر انھوں نے قرآنی تراکیب کا بالکل لغوی ترجمہ کیا ہے جس سے معنیٰ بھی خبط ہوئے ہیں اور قارئین پر قرآن کے پیغام کا اچھا تاثر نہیں قائم ہوتا مثلاً ''النبی الامی'' کا ترجمہ بطور Prophet of common folk اور ''علیم'' (صاحب علم) کا Cunning کیا ہے جو کہ نامناسب ہے۔ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کے بحر فصاحت اور بلاغت کے شناور سے ایسے عامیانہ ترجمے کی توقع نہیں کی جاتی۔ معروف عیسائی اصطلاحات کا استعمال بھی انھوں نے کثرت سے کیا ہے جو کہ گراں گزرتا ہے۔ ان کے ہاں غیر معیاری الفاظ کا استعمال ان کے علمی منصب سے فروتر محسوس ہوتا ہے۔ یہ کہنا دشوار ہے کہ یہ اسقام دانستہ ہیں یا نہیں لیکن ان کے باعث ان کے ترجمے کی وقعت میں یقیناً نمایاں کمی ہوئی ہے۔ مجموعی اعتبار سے ان کی ترجمانی قرآن اطمینان بخش نہیں[۱۱]۔

1956 میں عراق نژاد یہودی نسیم جوزف داوٗد Nessim Joseph Dawood (پ 1927) کا ترجمہ قرآن شائع ہوا۔ اس ترجمہ میں ان کا اسلام، سیرت طیبہ اور ابتدائی تاریخ اسلام سے متعلق مبسوط مقدمہ شامل ہے جس میں ان کا اس دعویٰ پر اصرار ہے کہ قرآن مجید بائیبل سے مستعار اور ماخوذ ہے۔ یہودی مترجم ہونے کے باعث ان کے غیظ و غضب کا اصل نشانہ سیرت طیبہ ہے۔ جابجا اس الزام کی تکرار ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں مدینہ کے یہودیوں پر بڑا ظلم و ستم ڈھایا گیا۔ انھوں نے اسلام کو ایک جنگجو وحشی طرزِ حیات کے طور پر پیش

کیا ہے۔ 1990 تک شائع اس کے متعدد ایڈیشن میں سورتوں کی توفیقی ترتیب مفقود تھی۔ 1991 کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں مسنون توفیقی ترتیب بحال کردی گئی ہے گو اس تبدیلی کا سبب بیان نہیں کیا گیا ہے البتہ اسلام اور آنحضرت ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی اس نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں بھی بدستور موجود ہے۔ آربیری کے مانند داؤد بھی عربی زبان و ادب پر عبور رکھتے ہیں لیکن اس کے باوصف ان کا ترجمہ اغلاط سے پُر ہے جس کی بظاہر کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔ الاعراف آیت 90، سورہ مریم آیت 17 اور 81 کے بعض اہم اجزاء کا ترجمہ ندارد ہے۔ اس پر مستزاد متعدد آیات کا غلط اور گمراہ کن ترجمہ اس اعتبار سے ہے کہ بسا اوقات وہ قرآنی اصطلاحات اور تراکیب کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر رہے ہیں اور متن کے ترجمے میں انھوں نے ایسے وضاحتی حواشی شامل کردیئے ہیں جو قرآن فہمی کی راہ ہموار کرنے کے بجائے قارئین کو قرآن مجید کے پیغام سے متنفر کرتے ہیں، مثال کے طور پر آل عمران آیات 15 اور 61، الاعراف آیت 49، سورہ مریم آیت 18، طٰہٰ آیت 44 اور 73۔ اپنے پیش رو مستشرقین کی مانند ان کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید یہود و نصاریٰ کی دینی روایات اور شعائر پر مشتمل ہے۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان کے بُعد کا شاہکار ان کا یہ قول ہے جو ان کے ترجمے کے سرورق کی زینت ہے: ''قرآن آج بھی عرب طرزِ حیات کی اساس اور متعلقہ احکام فراہم کرتا ہے''۔ اسلام کو عربوں تک محدود کرنا داؤد کی اپنی کم علمی اور تنگ نظری پر دال ہے۔ چونکہ یہ ترجمۂ قرآن انگریزی کے کامیاب تجارتی ناشر پنگوئین نے شائع کیا ہے، یہ مغرب میں کتب خانوں اور کتب فروشوں کے ہاں بکثرت دستیاب ہے۔ اس کے اب تک 50 سے زائد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔[12]

وسط بیسویں تک قادیانیوں کی طرح مستشرقین کا بھی طلسم پاش پاش ہونے کے بعد عرصے سے ان کی جانب سے کوئی نیا ترجمۂ قرآن مجید شائع نہیں ہوا تھا۔ البتہ 2007 میں شائع ایلن جونز کے ترجمۂ قرآن میں اسلام اور قرآن مجید کے خلاف بغض و عناد مترجم کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے، اگر اس پر سن اشاعت درج نہ ہوتا تو گمان ہوتا کہ قرونِ وسطیٰ کے متعصب، تاریک اور اسلام دشمن دور کی کوئی تصنیف ہے جس کا مصنف اسلام کے بنیادی مآخذ، مسلمانوں

کے طرزِ حیات اور باہمی تعلقات اور رواداری کے سبق سے بالکل ناآشنا ہے لیکن اس تلخ حقیقت کا کیا کیا جائے کہ زیر تبصرہ ترجمے کے مصنف گزشتہ چالیس سال سے زائد آکسفورڈ یونیورسٹی میں شعبۂ عربی میں استاد ہیں اور مغرب میں ان کا شہرہ بطور ماہر اسلامیات ہے۔ مترجم کا اصرار بلکہ ایمان ہے کہ قرآن مجید محض بائبل سے سرقہ ہے اور اس کا متن ایسا ہے کہ اسے پڑھنا، سمجھنا، سمجھانا گویا ناممکن ہے اور یہ ربط و نظم اور ترتیب سے بالکل عاری ہے۔ موصوف کی دانست میں قرآن مجید کا واحد مقصد غیر مسلموں کے خلاف اعلان جنگ بلکہ ان کے خلاف قتال کی تبلیغ اور تلقین ہے۔

ان کے بقول ہر قرآنی سورت مجادلے اور مناظرے پر مشتمل ہے۔ موصوف نے بلامبالغہ سینکڑوں مقامات پر قرآن مجید کو مناظراتی تصنیف قرار دیا ہے۔ سورۃ النساء کا تعارف اس ہیبت ناک طور پر کیا ہے "اس پر مناظرہ بازی کا رنگ غالب ہے اور یہ کفار کے خلاف بالعموم اور یہودیوں اور منافقین کے خلاف بالخصوص اور براہ راست حملوں سے عبارت ہے"۔ ان کے مطابق سورۃ المائدہ میں "یہودی اور عیسائی مستقل طور پر مناظرے کی زد میں ہیں اور ان کے خلاف رویہ مذمت کا ہے"۔ سورۃ الاعراف کے پیغام اور موضوع کو مسخ کر کے اس طرح پیش کیا گیا ہے: "اس سورہ میں ایک ناکام پیغمبر کا حال بیان کیا گیا ہے اور اسی حوالے سے مناظرے بازی کی لئے خاصی نمایاں ہے"۔ قرآن مجید کے ماخذ کے بارے میں ان کی یہ ہرزہ سرائی ملتی ہے: "اس رائے کو قبولیت عام حاصل ہے کہ قرآن مجید میں درج قصے وہ ہیں جو آپ (حضور ﷺ) کو بائبل اور دیگر حوالوں سے سنائے گئے تھے اس مواد پر آپ نے غور و خوض کیا اور پھر اسی بنیاد پر اپنا کلام بنایا۔ یہ اضافہ ضروری ہے کہ احادیث سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ مختلف افراد سے آپ نے قصے سنے اور ان ہی قصوں پر قرآن مشتمل ہے"۔ موصوف کی تحقیق انیق کے مطابق ایک بائبل ہی پر کیا موقوف پورے مشرق وسطیٰ اور بحیرۂ روم کے خطے میں مقبول افسانے اور روایتیں تک قرآن مجید کا ماخذ اور منبع ہیں۔

جونز نے مصحف کی صحت کو مشکوک قرار دیا ہے۔ دیگر مستشرقین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انھیں بھی قرآن مجید کے جمع اور تدوین کی تاریخ سے بالکل اتفاق نہیں۔ وہ قرآنی سورتوں کی تاریخ

نزول اوران کی توفیقی ترتیب کے بھی قائل نہیں اپنے دیباچے میں انھوں نے یہ زہرافشانی کی ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ آپ کی وفات کے بعد کاتبوں کے تحریر کردہ مصحف کا کیا حشر ہوا۔ متعدد قرآنی سورتیں ایسی ہیں جن کی تاریخ نزول مشکوک ہے۔ سورہ الفاتحہ کے متعلق بھی اسی انداز کے شرانگیز جملے ہیں کہ اس سورہ کا زمانۂ نزول غیر متعین ہے اور اس کی آخری آیت میں بعد کے کسی مرحلے میں ترمیم کی گئی۔ یہ بہتان تصنیف کرتے ہوئے جونز اس کھلی ہوئی حقیقت کو کیسے نظرانداز کر گئے کہ سورہ الفاتحہ کی تلاوت ابتداء سے پنج وقتہ نماز کا جزو ہے اور روزانہ دو جہری نمازوں میں اس کی برسرعام تلاوت بھی ہوتی رہی پھر اس کی تاریخ نزول یا اس کے متن کی صحت کے بارے میں بھی ان کی یہ ہرزہ سرائی ہے کہ اس میں اضافے آپؐ کی وفات کے بعد تک ہوتے رہے۔ غرضیکہ اپنے مندرجات کے لحاظ سے جونز کی یہ تصنیف اسلام، قرآن مجید اور سیرۃ طیبہ کی تنقیص سے پُر ہے۔ قرآن مجید کی غلط اور گمراہ کن ترجمانی اس پر مستزاد ہے۔

قرآن مجید کا استخفاف اور مخالفت جونز کے ذہن پر ایسی مستولی ہے کہ انھوں نے سینکڑوں قرآنی اصطلاحات، تراکیب اور الفاظ کو گنجلک، غیر واضح، بالکل مبہم اور مفہوم اور معنیٰ سے عاری قرار دیتے ہوئے انھیں مسترد کردیا ہے۔ غرض یہ کہ وہ کتاب مبین جس نے اب تک کروڑہا کروڑ افراد کو اپنے اعجاز اور ایجاز، حسن بیان اور بلاغت اور فصاحت سے مسحور کیا اور اپنے قارئین کی قلب ماہیت کردی اس مستشرق کی نظر میں ایک بے معنیٰ اور لایعنی کتاب ہے جس میں انھیں صرف ژولیدہ بیانی نظر آتی ہے۔ تعصب انسان کے دل و دماغ کو کیسا مختل اور مفلوج کردیتا ہے اس حقیقت کا جیتا جاگتا نمونہ یہ ترجمہ قرآن مجید ہے۔[۱۳]

قادیانی تراجم

انگریزی تراجم قرآن کے میدان میں مستشرقین کے گمراہ کن تراجم کے علاوہ ایک دوسرا بڑا فتنہ قادیانی تراجم ہیں بلکہ اول الذکر کے بالمقابل یہ اس لحاظ سے مزید خطرناک اور پُرفریب ہیں کہ ان کے مترجم، ناشر وغیرہ کے نام مسلمانوں کے سے ہوتے ہیں مزید برآں قادیانیت کا ابتداء سے مشنری مزاج رہا ہے اور بیسویں صدی کے اوائل ہی سے قادیانی مراکز دیارِ مغرب میں

برطانوی استعمار کی سرپرستی میں قائم ہوئے اور مغرب اور افریقہ کے دور دراز مقامات پر قادیانی انگریزی تراجم میں انتہائی عیاری سے ایک جانب بظاہر تمام عقائد اسلامی اور رسالتِ محمدیؐ کا اثبات ملتا ہے اور دوسری جانب مرزا غلام احمد کے مسیحِ موعود یا نبی ہونے پر اصرار بھی۔ اپنے اس باطل دعویٰ کی حمایت میں وہ قرآن مجید کے معنیٰ اور مفہوم کو حد درجہ مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔

عموماً یہ تاثر ہے کہ محمد علی (1874-1951) اولین قادیانی مترجم قرآن ہیں جن کا ترجمہ 1917 میں منظر عام پر آیا۔ درحقیقت محمد عبدالحکیم خاں کا انگریزی ترجمہ (1905) اس میدان میں اولیت کا حقدار ہے۔ عبدالحکیم خاں ریاست پٹیالہ میں طبیب تھے، اردو اور انگریزی دونوں میں انھوں نے اسلام پر کتابیں تصنیف کیں۔ ان کے سوانحی حالات مفقود ہیں۔ ان کے ترجمۂ قرآن کے صرف دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ اس ترجمۂ قرآن میں تفسیری حواشی کا اہتمام ہے۔ بعض حواشی بائبل اور قرآن مجید کے موازنے پر مشتمل ہیں۔ جس میں انھوں نے قرآن مجید کی افضلیت اور عظمت کو ثابت کیا ہے۔ لیکن اس تصنیف کا اصل مقصد قادیانیت کا فروغ ہے۔ متعدد حواشی میں انھوں نے اس ضال اور مضل عقیدے کی حمایت اور دفاع کیا ہے مثلاً آیت ۵۴ سورہ آل عمران میں رفع عیسیٰؑ کا ذکر ہے اس کے ذیل میں بیس صفحات کو محیط اپنے مفصل حاشیے میں انھوں نے انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ اور دوٹوک الفاظ میں دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید نے جس عیسیٰؑ کی آمد ثانی کی خبر دی ہے وہی مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں اب نمودار ہو گئے ہیں اور پھر اس باطل دعویٰ کی حمایت میں مضحکہ خیز اور بے بنیاد دلائل دیئے ہیں[۱۴]۔ الانعام آیت 94 میں کاذب مدعی نبوت کے خلاف صریح وعید ہے۔ موصوف کی دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ اس آیت کی تشریح میں اس کا مصداق ان صالح افراد کو ٹھہرایا ہے جو مرزا غلام احمد کی ہفوات کی تردید میں مشغول ہیں۔ سورہ یونس آیت 7 میں آیات الٰہی سے غافل افراد کو تنبیہ کی گئی ہے لیکن موصوف کی جسارت حیرت انگیز ہے کہ اس کا مخاطب بھی ان کے بقول مرزا غلام احمد کے مخالفین ہیں جو اس آیتِ الٰہی (نعوذ باللہ) کے منکر ہیں۔ سورہ الروم آیت 32 میں دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور فرقوں میں تقسیم ہو جانے کی مذمت کی گئی ہے، موصوف نے اس کو بھی

قادیانیت مخالف افراد پر چسپاں کیا ہے اور یہ تشخیص بھی کی ہے کہ مسلمانوں کے ادبار ونکبت کی واحد وجہ مرزا غلام احمد کی مخالفت ہے۔ مرزا کے گمراہ پیروؤں کو صحابۂ کرام سے مماثل قرار دیا ہے۔

مرزا غلام احمد کے تتبع میں موصوف نے قرآن مجید میں وارد عیسیٰؑ سے متعلق آیات کو بالخصوص مسخ کر کے پیش کیا ہے اور یہ مضحکہ خیز نتائج متن قرآن سے منسوب کیے ہیں کہ صلیب سے اٹھ کر عیسیٰؑ ہزاروں میل دور کشمیر جا پہنچے اور 120 سال کی طبعی عمر گزارنے کے بعد ان کی فطری موت ہوئی اور وہ سری نگر، کشمیر کے محلّے خان یار میں مدفون ہیں۔ پُرزور طور پر اس نکتے کو موصوف نے بار بار پیش کیا ہے کہ مسیح موعود قادیان کے مرزا غلام احمد ہیں۔ معجزات، جنت کے لذائذ اور جن کا انکار قادیانی عقیدے کا جزو ہے، ان کے ترجمے میں ان امور کا یہ تکرار تذکرہ لہٰذا کچھ ایسا عجب نہیں۔ وہ ہر معجزے کے منکر ہیں خواہ وہ داوٗدؑ، سلیمانؑ یا عیسیٰؑ یا کسی نبی کو عطا ہوا ہو۔ جن کو وہ وحشی قبائلیوں پر محمول کرتے ہیں۔ وہ سارق کے قطع ید کے بھی قائل نہیں۔ قادیانیت کو برطانوی استعمار کی سرپرستی ایک معروف حقیقت ہے، اس کی تصدیق موصوف کے اس تفسیری حاشیے سے بھی ہوتی ہے جس میں ''اولی الامر'' (النساء آیت 59) انھوں نے حاکم وقت کو ٹھہرایا ہے قطع نظر اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو اور یہ تاکید کی ہے کہ حاکمِ وقت کی اطاعت مسلمانوں کا انتہائی اہم مذہبی فریضہ ہے۔ حاکم وقت کا کسی اور مذہب پر کاربند ہونا اطاعت میں ہرگز مانع نہیں۔

عبدالحکیم خاں کو انگریزی کی معمولی شدبدتھی ترجمے میں متروک، نامانوس الفاظ کی بہتات حد درجے گراں گزرتی ہے۔ اس ترجمے کی اصل اہمیت تاریخی ہے کہ یہ اولین قادیانی انگریزی ترجمہ ہے۔ غیر مصدقہ روایات ملتی ہیں کہ اس ترجمے کے کچھ عرصے بعد وہ قادیانیت سے تائب ہو گئے تھے[۱۴]۔

محمد علی (1951-1874) مرزا غلام احمد کے دستِ راست تھے وہ قادیانی مذہب کے ترجمان مجلّے Review of Religions کے بانی مدیر تھے۔ قادیانی مشنری ادارے، اشاعتِ

اسلام، لاہور کے روح رواں کی حیثیت سے انھوں نے اسلام پر متعدد تصانیف اردو اور انگریزی میں تالیف کیں تاکہ سادہ لوح، ناواقف مسلمان اور غیر مسلم قادیانیت کے ملغوبے کو اصل اسلام سمجھ کر اسے اختیار کرلیں۔ مرزا غلام احمد کی تحریک پر انھوں نے انگریزی ترجمۂ قرآن کا بیڑا اٹھایا، ان کا ترجمہ 1917 میں شائع ہوا۔ اب تک اس کے 23 سے زائد ایڈیشن ہندوستان پاکستان اور امریکہ سے طبع ہو چکے ہیں۔ البتہ یہ صراحت ضروری ہے کہ ان کے ترجمۂ قرآن کو مستند یا منظور شدہ قادیانی ترجمے کا مقام حاصل نہیں بلکہ یہ امتیاز شیر علی کے قادیانی ترجمۂ قرآن کا ہے۔ مغربی ممالک میں فعّال قادیانی مشنری سرگرمیوں کے باعث یہ اور دیگر قادیانی تراجم یورپ اور امریکہ میں بآسانی دستیاب ہیں۔

اس تصنیف میں ترجمے کے علاوہ کثیر تعداد میں تفسیری حواشی بھی ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ کے معنی اور مفہوم کو مسخ کرتے ہوئے قادیانیت کے اثبات کے علاوہ ناقص انگریزی محاورۂ بیان اور معجزات کا انکار اس تصنیف کے ناقابل قبول نقائص اور معائب ہیں۔ تجدد زدگی کی رو میں معجزات کے مضحکہ خیز انکار اور تاویل کا فتنہ سب سے پہلے محمد علی کی اسی تصنیف نے کھڑا کیا تھا جس کو عقلیت پسندی اور معروضیت کی آڑ میں عبداللہ یوسف علی، محمد اسد اور احمد علی نے مزید ہوا دی۔ ملائکہ اور جن کے وجود کے وہ منکر ہیں ان کے بقول یہ محض خیر و شر کی قوتوں کی علامت ہیں۔ جنت اور دوزخ کی کوئی اصلیت نہیں وہ صرف رضائے الٰہی اور غضب الٰہی کا استعارہ ہیں۔ عیسیٰؑ کے معجزات کی موصوف نے یہ تاویل پیش کی ہے کہ پرندوں میں روح پھونکنے سے مراد اپنے حواریوں میں اشاعت حق ہے اور نابینا اور جذامی کو شفا بخشنے کا مطلب روحانی طور پر نابینا اور علیل افراد کو ایمان کی دعوت دینا ہے۔ اسی طرح سلیمانؑ کو عطا کردہ معجزات کی بھی انھوں نے مضحکہ خیز تعبیر اور تشریح کی ہے۔

شیر علی (م 1947) مرزا غلام احمد کے رفیق خاص تھے۔ قادیانی مذہب کے باضابطہ ترجمان ترجمہ و تفسیر قرآن کی ابتداء انھوں نے 1947 میں کی اور 1963 میں تین جلدوں پر مشتمل یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ البتہ 1955 میں اس تصنیف کا ایک جلد میں ملخص ایڈیشن مع حواشی بھی منظر عام پر آیا۔ اس تصنیف کے اب تک تیرہ ایڈیشن پاکستان، ہالینڈ، گھانا، برطانیہ اور

امریکہ سے شائع ہو چکے ہیں۔ 1982 کے ایڈیشن میں یہ اعلان ہے کہ اس تصنیف کے دو لاکھ سے زائد نسخے طبع ہو چکے ہیں۔ یہ تعداد آج اس سے کئی گنا زائد ہو چکی ہوگی۔

1997 میں مرزا طاہر احمد کی نگرانی میں اس تصنیف کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن طبع ہوا۔ اس میں شیر علی پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ انھوں نے قادیانیت کی کماحقہ ترجمانی نہیں کی جس کی تلافی اس نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں کی گئی ہے۔ محمد علی کی بہ نسبت شیر علی کے اصل اور نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں قرآن مجید کی گمراہ کن ترجمانی زیادہ شدید ہے۔ عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے اور محمد ﷺ کے نبی آخر الزماں ہونے سے متعلق آیات کے معنی اور مفہوم کو بالخصوص مسخ کر کے اور قادیانی تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ معجزات کا صریح انکار شیر علی کے قادیانی مذہب کا جز واعظم ہے۔ اسی فکری کجی سے مغلوب ہو کر وہ شیطان اور جن کے وجود، ہاروت ماروت کے ملائکہ ہونے یا جنت کے مادی انعامات کے قائل نہیں۔ اس ترجمۂ قرآن میں قادیانی مذہب کے عقائد کو اس حد تک مرکزی مقام دیا گیا ہے کہ مشہور مستشرق کینتھ کریگ (Kenneth Cragg) کی رائے میں ''اس ترجمے کے استعمال میں بڑے محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کی اغلاط قارئین کو بالکل منتشر اور پراگندہ کر دیتی ہیں۔ اس ترجمۂ قرآن کی سب سے نمایاں کمی یہ ہے کہ یہ کسی لحاظ سے مستند یا معتبر نہیں''[۱۵]۔ قادیانیت کی باضابطہ ترجمان اس تصنیف میں تحریف کی ایسی بہتات کچھ ایسی عجب نہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد (1969-1885) مرزا غلام احمد کے بیٹے اور جانشین تھے، 1914 میں وہ خلیفۂ ثانی مسیح موعود کے روپ میں منظر عام پر آئے۔ قادیانیت کی نشر واشاعت کے منصوبے کے تحت انھوں نے اردو میں تفسیر کبیر تالیف کی۔ ان کا مفصل مقدمہ شیر علی کے انگریزی ترجمۂ قرآن کی بھی زینت ہے۔ اس مقدمے میں قادیانیت کے لئے نصرتِ الٰہی، مرزا غلام احمد کی نبوت اور ان کے حاملِ وحی ہونے جیسے کافرانہ عقائد کا اظہار ہے اور ان کے بے بنیاد دعووں کو ایسی آیات قرآنی سے مستنبط کرنے کی جسارت کی گئی ہے جن کا تعلق ان موضوعات سے یکسر نہیں ہے۔ بہر کیف قادیانی ذہن اور عقائد کے مطالعے کے لئے یہ ترجمہ وتفسیر قرآن اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تصنیف دراصل ان کی اردو تفسیر کبیر کا انگریزی قالب ہے، ہر چند کہ انھوں

نے اس کا انگریزی ترجمہ خود نہیں کیا لیکن فرطِ عقیدت اور اپنے پیشوا کی نام نہاد عظمت میں اضافے کی خاطر مرزا بشیر الدین احمد ہی کو انگریزی مترجم کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے اور اصل انگریزی مترجم کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس کے 14 ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اس قادیانی ترجمے میں تلبیس اور تعلّی کا آئینہ دار یہ باطل دعویٰ ہے: ''مسلمانوں کے ہاتھوں میں صدیوں سے قرآن ایک بند کتاب تھا جس کی شرح بلکہ عقدہ کشائی مسیح موعود مرزا غلام احمد کے طفیل اب جا کر عمل میں آئی ہے''[۱۶]۔ قادیانی فکر کی دستاویز کے طور پر یہ ترجمۂ قرآن اہمیت رکھتا ہے۔

ملک غلام فرید (1977-1896) مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفہ ثانی مسیح موعود کے رفیق کار تھے۔ انھوں نے مرزا بشیر الدین کی اردو تفسیر کبیر کی تلخیص تفسیر صغیر کو انگریزی جامہ پہنایا۔ اس کے صرف تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ ہر چند کہ دیباچہ میں دعویٰ اس امر کا ہے کہ اس تصنیف کا مقصود اسلام کے خلاف عیسائی اہل قلم کے تعصبات کی تردید ہے، اصلاً یہ قادیانی عقائد کا شارح ہے۔ جابجا ''حضرت خلیفۃ المسیح ثانی'' (مرزا بشیر الدین محمود احمد) کی تقاریر اور تصانیف کے حوالے ہیں، عیسیٰؑ کے کشمیر میں مدفون ہونے اور مرزا غلام احمد کی نبوت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ترجمۂ قرآن مرزا ناصر احمد ''خلیفہ ثالث اور قائد احمدیہ'' کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ لہٰذا یہ امر چنداں حیرت انگیز نہیں کہ اس میں متعدد قرآنی آیات سے مرزا غلام احمد کی جعلی نبوت کی توثیق کی گئی ہے۔ سورہ الفاتحہ کی تشریح میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ اس سورہ کا پیغام لوگوں کے دل و دماغ سے غائب ہو گیا تھا، مرزا غلام احمد نے اس کے معنی اور مطلب سے دنیا کو آشنا کیا۔ البقرہ آیت 261 میں ابراہیمؑ کا معروف قصہ درج ہے کہ اللہ کے حکم سے انھوں نے چار پرندوں کو ذبح کر کے پہاڑ پر رکھا اور پھر اذن الٰہی سے وہ پرواز کرتے ہوئے نمودار ہو گئے حیات بعد الموت کے اس بدیہی درس کو موصوف نے مرزا غلام احمد کے بدست اسلام کے مبینہ احیاء اور تجدید سے تعبیر کیا ہے۔ سورہ النور آیت 56 کے ذیل میں یہ گمراہ کن خیال پیش کیا ہے کہ آپؐ کی خلافت تا قیامت قائم رہے گی اور قادیانیت آپؐ کی اسی روحانی خلافت کا مظہر ہے۔ السجدہ آیت 6 کی تشریح میں یہ بے بنیاد دعویٰ کیا گیا ہے کہ مسیح موعود مرزا کے ظہور کے بعد چودھویں صدی ہجری میں اسلام کے زوال کا خاتمہ اور نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے۔ سورہ

الصف آیت 7 میں آپؐ کے اسم گرامی ''احمد'' کو انتہائی دیدہ دلیری سے مرزا سے منسوب کیا ہے۔ التکویر آیت 23 میں مذکور ہے کہ آپؐ نے جبریلؑ کو دیکھا، قادیانی ذہن کی اختراع کے مطابق آپؐ نے جبریلؑ کو نہیں مرزا کو افق پر دیکھا۔ الانشقاق آیت 18 میں بدر کامل کا ذکر ہے، موصوف کے مطابق اس سے مراد مرزا غلام احمد ہیں اور ان کو آپؐ کے نائب کے لقب سے نوازا ہے۔ یہی نہیں البروج آیت 2 میں ''یوم موعود''، الطارق آیت 2 میں ''مشہود'' اور خود سورہ کے عنوان ''الطارق'' اور الفجر آیت 3 میں ''الوتر'' یہ سب الفاظ قرآنی مرزا غلام احمد کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ کلام اللہ سے ایسا رکیک مذاق! اس ٹیپ کا یہ بند بالخصوص قابل ذکر ہے کہ سورہ یاسین آیت 27 میں مرزا کی مغفرت اور بخشش مذکور ہے اور اسی حکم الٰہی کی مناسبت سے قادیان میں بہشتی قبرستان وجود میں آیا۔ تمام معجزات کا صریح انکار موصوف کے قادیانی عقیدے کے مطابق ہے۔ محمد عبدالحکیم خاں اور محمد علی لاہوری کے نقشِ قدم پر عامل موصوف نے ان باطل نظریات کی بھی اشاعت کی ہے کہ شیطان ذریت آدم میں شامل ہے یا وہ ہر مرض اور مضر شے کا نام ہے۔ جن سے مراد غیر معمولی قوت کے افراد ہیں۔ آدمؑ نام کی دو شخصیات گزری ہیں۔ کرۂ زمین پر وارد ہونے والے آدمؑ ایک بالکل مختلف شخصیت کا نام ہے۔ الاسراء آیت 60 میں مذکور ''الشجرہ الملعونہ'' سے مراد یہود ہیں۔ اصحاب کہف آج کی مغربی/عیسائی سیاسی قوتیں ہیں جو چہار سو اپنے سیاسی اور معاشی بالادستی کے لئے کوشاں ہیں۔ اسی طرح یاجوج ماجوج آج کا روس اور مغربی اقوام ہیں تفسیر کے نام یہ ہذیان سرائی قابل رحم ہے۔ یہ نکتہ البتہ نا قابل توجیہہ ہے کہ محمد علی، شیر علی اور ظفر اللہ خاں کے قادیانی تراجم کے برعکس اس کی پذیرائی بہت کم ہوئی۔

محمد ظفر اللہ خاں (1985-1893) نے قانون کی اعلیٰ تعلیم برطانیہ کی مؤقر دانش گاہوں میں حاصل کی۔ وہ غیر منقسم ہندوستان اور پھر پاکستان میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے مثلاً وائسرائے کونسل کے رکن، پاکستان کے وزیر امور خارجہ اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے جج وغیرہ۔ البتہ 1974 میں پاکستانی اسمبلی کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ ان پر ایسا گراں گزرا کہ انھوں نے پاکستان سے خود ساختہ جلاوطنی اختیار کی اور اپنی بقیہ زندگی برطانیہ میں واقع قادیانیت کے تبلیغ و اشاعت کے مرکز میں اپنی تصنیفی سرگرمیوں میں بسر کی۔

ظفر اللہ خاں ابتداء ہی سے اس قادیانی مترجمین کی مجلس کے رکن تھے جس نے مرزا بشیر الدین محمود احمد کی تفسیر صغیر کو انگریزی جامہ پہنایا، گو یہ ترجمہ ملک غلام فرید سے منسوب ہوا اور 1969 میں شائع ہوا۔ ظفر اللہ خاں نے اپنا نیا ترجمہ 1971 میں پیش کیا۔ البتہ یہ نکتہ حیرت انگیز ہے کہ اپنے بین الاقوامی اثر و رسوخ اور مرتبے کے باوصف ان کے ترجمے کا قادیانی یا مغرب کے علمی حلقوں میں زیادہ گرم جوشی سے استقبال نہیں ہوا اور اس کے کُل 9 ایڈیشن اب تک طبع ہوئے ہیں۔

اپنے مندرجات کے اعتبار سے یہ قادیانی عقائد کا ترجمان ہے گو کہ فاضل مصنف نے اپنے ترجمے کے عنوان میں اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور اپنے آپ کو رسالت محمدی اور ختم نبوت کے قائل شخص کے طور پر پیش کیا ہے۔ تلبیس کا یہی پہلو سرورق پر ان کے سوانحی حالات پر بھی حاوی ہے کہ اس میں ان کا تعارف پاکستان کی ایک نہایت سرکردہ اور نمایاں سیاسی شخصیت کے طور پر کیا گیا ہے تاکہ عام قاری اسے اہل جمہور کی تصنیف متصور کرے۔ لیکن ان کے تفسیری حواشی ان کے خالصۃً قادیانی مذہب کے پیرو ہونے پر دال ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ النساء آیت 157 کے ذیل میں انھوں نے اس مضحکہ خیز قادیانی روایت کا اعادہ کیا ہے کہ عیسیٰؑ کشمیر ہجرت کر کے گئے تھے اور وہیں مدفون ہیں۔ اسی طرح سورۃ البقرہ آیت 71، سورہ غافر آیت 55 اور سورہ الضحیٰ آیت 7 کی تشریح میں ان کے قادیانی عقائد آشکار ہیں۔

حکیم نور الدین (1841-1914) نے مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد قادیانیت کی نظریاتی اور فکری قیادت کی۔ ہر چند کہ ان کی حیات میں ان کا ترجمہ اور تفسیر قرآن شائع نہیں ہوا۔ ان کے انتقال کے 90 سال بعد 2007 میں ان کی بہو امۃ الرحمٰن عمر کی کاوش سے ان کی تفسیری یادداشتوں پر مبنی یہ انگریزی ترجمہ منصۂ شہود پر آیا۔ امۃ الرحمٰن ایک اور قادیانی مترجم قرآن شیر علی کی صاحبزادی ہیں۔ انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر سے متعلق حکیم نور الدین کی قلمی یادداشتوں کو دیدہ ریزی کے ساتھ مرتب اور مدون کیا۔ ظفر اللہ خاں کے مذکورہ بالا ترجمۂ قرآن کی مانند اس تصنیف میں بھی ہر امکانی کوشش اس امر کی گئی ہے کہ حکیم نور الدین کی قادیانیت کا اظہار نہ ہوتا کہ مسلم قارئین اس سے وحشت زدہ نہ ہوں اور ناواقف قارئین اس کے مندرجات

سے متاثر ہوکر قادیانیت کی جانب مائل ہوں۔ اس تمام پیش بندی کے باوجود تفسیری حواشی میں قادیانی عقائد اپنی تمام تر فتنہ سامانی کے ساتھ موجود ہیں مثلاً معجزات کی تاویل اور انکار، ملائکہ، جن اور لذائذِ جنت کی تردید، آدمؑ سے قبل نسل انسانی کا وجود وغیرہ[12] حکیم نورالدین چونکہ قادیانیت کے سرخیل تھے دیگر قادیانی مترجمین کی تصانیف میں درآنے والے باطل خیالات کا منبع اور ماخذ ان ہی کے تفسیری حواشی ہیں۔ آدمؑ سے قبل کرۂ زمین پر بنی نوع انسان کے وجود، حور اور جن کے وجود سے انکار، جنت کی نہروں اور باغات کو صرف اعمال صالحہ اور ایمان پر محمول کرنا وغیرہ ان کے تفسیری حواشی کے وہ نوادر اور جواہر ہیں جن کی خوشہ چینی متقدمین قادیانی مترجمین کے ہاں بالکل واضح ہے۔

اوّلین مسلم تراجم

مستشرقین کے بپا کیے ہوئے قرآن مجید قرآن مجید کے خلاف اس فتنے کے پس منظر میں اولاً برصغیر ہند و پاک کے مسلمان اہل قلم نے مستند انگریزی ترجمۂ قرآن کا بیڑا اٹھایا۔ مستشرقین کی گمراہ کن اور اسلام دشمن تصانیف، جارح عیسائی مبلغین (Missionaries) اور دیگر مغربی مصنفین نے اسلام اور قرآن مجید کے خلاف انیسویں صدی کے برطانوی ہند میں بڑے پیمانے پر مہم چھیڑ رکھی تھی جس کا مقصد مسلمانوں کے عقائد کو کمزور کرنا اور بتدریج انھیں عیسائیت کے دام میں لانا تھا۔ اس دور کے مسلمان سیاسی لحاظ سے ہزیمت خوردہ تھے۔ سلطنت کھو بیٹھنے، اقتدار سے بے دخل ہوجانے اور ذرائع معاش سے عام طور پر محروم ہوجانے کے باعث وہ ان عیسائی مبلغین کے لئے لقمۂ تر کی مانند تھے۔ مسلمانانِ ہند کا یہ خدشہ کچھ ایسا بے بنیاد نہ تھا کہ مغربی تعلیم عام ہونے سے وہ رفتہ رفتہ اپنے دین سے برگشتہ ہوجائیں گے۔ اسی باعث ابتداء میں مسلمانان ہند نے مغربی تعلیم اور انگریزی زبان کی مخالفت کی اور سر سید احمد خانؒ (1817-1898) کو مسلمانوں کے مابین مغربی تعلیم کو رواج دینے میں انتہائی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے بے پایاں اخلاص اور غیر متزلزل استقلال کی بدولت سر سیدؒ اس غلط فہمی کو دور کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے کہ مغربی تعلیم کے حصول کے باوصف بھی مسلمان مکمل طور پر اسلام پر کاربند رہ سکتے ہیں۔ یہ سر سیدؒ کی کاوش ہی کا ثمرہ ہے کہ مسلمانوں میں معتوب

انگریزی زبان اب پوری دنیا میں مسلمانوں میں رائج ہے اس کے دیگر مختلف عوامل یہ ہیں: مغربی تعلیم کا عام رواج، مسلم ممالک میں برطانوی استعمار اور بیسویں صدی کے نصف آخر میں لاکھوں بنگلہ دیشی، پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی مغرب کی جانب معاشی ہجرت۔

برصغیر کے مسلمان اہل قلم کے انگریزی تراجم انیسویں صدی کے برطانوی ہند کی مخصوص صورتحال کے پیش نظر وجود میں آئے۔ اپنی سیاسی اور عسکری فتح کے نشے میں چور اور اپنی تہذیبی اور ثقافتی برتری کے قائل عیسائی مشنری بالخصوص اور انگریزی مصنفین بالعموم اسلام پر اعتراضات اور الزامات عائد کرنے میں سرگرم تھے ان کا خصوصی اہداف سیرۃ طیبہ اور قرآن مجید تھے تاکہ مسلمان اپنے دین کے بنیادی مآخذ سے بدظن ہوجائیں [۱۸]۔ مسلمانان اہل قلم کے اولین تراجم اصلاً ان اعتراضات کی تردید اور اسلام اور قرآن کے دفاع کی کاوش کا ایک درخشاں باب ہیں۔ یہ مسلمان اہل قلم اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اگر بروقت ان الزامات کا مسکت جواب نہیں دیا گیا تو مسلمان اسلام سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔

اولین مترجم ابوالفضل (1865-1956) کوئی ممتاز عالم یا ماہر اسلامیات نہ تھے بلکہ ان کے حواشی میں بعض مقامات پر مستشرقین کے وارد کیے ہوئے اعتراضات تک کی بازگشت ملتی ہے وہ رسالت کے صحیح مفہوم سے نابلد تھے۔ ان کی رائے میں قرآن مجید ایک باقاعدہ کتاب نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ ان کی اس فاش غلطی کو معاند اسلام مستشرق سیموئل زویمر نے خوب سراہا اور اپنی اس توقع کا اظہار کیا کہ ایسی فکر کی بدولت مسلمان اپنے عقائد اور روایات سے کٹ جائیں گے [۱۹]۔ ابوالفضل کا ترجمہ محض زمانی اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ اسے مسلمانوں کے اولین انگریزی ترجمۂ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ 1916 میں حیرت دہلوی نے مستشرقین کے ہفوات کی تردید میں ترجمۂ قرآن مجید شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔ دیباچے میں یہ صراحت ہے کہ یہ تصنیف متعدد اہل علم کی مشترکہ اور اجتماعی کاوش ہے گو ان حضرات کے اسماء درج نہیں ہیں۔ مستشرقین کی تردید کے اپنے مقصود میں یہ تصنیف کامیاب نہیں۔ مؤلف استشراق کی علمی روایت سے لاعلم نظر آتے ہیں۔ اپنے پیش رو ابوالفضل کے ترجمے کی مانند یہ ترجمہ صرف تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کا علمی پایہ قابل لحاظ نہیں ہے [۲۰]۔

تیسرا ابتدائی ترجمہ غلام سرور (1929-1873 اندازاً) کا ہے جو 1920 میں شائع ہوا۔ کیمبرج یونیورسٹی، انگلستان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ ملایا (موجودہ ملیشیا) کی انتظامیہ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ اپنے پیش رووں کے برخلاف ان کا مطالعہ وسیع اور انگریزی زبان و بیان پر قدرت اعلیٰ معیار کی تھی۔ اپنے مقدمے میں شرح و بسط کے ساتھ انھوں نے مستشرقین کے تراجم کا محاکمہ کیا ہے جو کہ علمی اور فکری حیثیت سے قابل داد ہے البتہ ان کے تفسیری حواشی برائے نام ہیں جس کے باعث اس تصنیف میں متن قرآن مجید کے حوالے سے کہیں ان کے قادیانی مزعومات کا اثبات یا دفاع نہیں ملتا۔ البتہ اپنے مقدمے میں غلام سرور نے اپنے ہم عصر قادیانی مترجم قرآن مجید محمد علی کے تئیں غیر معمولی عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ان کی تصنیف کے ایسے محاسن بیان کئے ہیں جو واقعۃً اس میں موجود ہی نہیں۔ مزید برآں انھوں نے محمد علی کے قادیانی مزعومات سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے جو کہ ایک ناقابل توجیہ معمہ ہے، چونکہ غلام سرور کا ترجمہ سنگاپور سے شائع ہوا اور اس دور میں نشر و اشاعت اور ترسیل کے وسائل عام نہ تھے ان کا ترجمہ پردۂ گمنامی میں رہا[۲۱]۔ غلام سرور کی مانند ایک غیر معروف انگریزی مترجم خادم رحمانی نوری کے ہاں بھی قادیانیت کے تئیں میلان نظر آتا ہے گو انھوں نے بھی غلام سرور کی طرح قرآن مجید کے متن اور حوالے سے اپنے ترجمے میں قادیانیت کو عین اسلام کے طور پر نہیں پیش کیا۔ ان کا انگریزی ترجمہ شیلانگ جیسے دور افتادہ مقام سے 1964 میں شائع ہوا۔ ان کے ترجمے میں توضیحی حواشی کثرت سے ہیں، گو وہ قرآن مجید کے پیغام کو پیش کرنے میں بڑی حد تک ناکام ہیں کیونکہ وہ غیر متعلق نکات کے بارے میں انتہائی ژولیدہ بیانی کے ساتھ ادا ہوئے ہیں۔ مزید ستم یہ ہے کہ ان حواشی کو انھوں نے متن کا حصہ بنادیا ہے مثال کے طور پر منافقین کا Hypocrites کے طور پر ترجمہ کرنے کے ساتھ اسی سے عین متصل یہ توضیحی عبارت بھی ہے: Having an angel's face with a devil's purpose یعنی وہ لوگ جن کے چہرے فرشتوں جیسے مگر اغراض و مقاصد شیطانی ہوتے ہیں۔ مطلوبہ معنی محض منافق کے معروف لفظ سے بخوبی ادا ہو جاتے ہیں مزید وضاحت درکار ہی نہیں۔ فرشتے کے چہرے سے متعلق تشبیہ بے معنی ہے کہ اس غیر مرئی، مجرد خیال سے دل و دماغ پر کوئی واضح تصویر نقش نہیں ہوتی اور تشبیہ کا مقصد ہی فوت

ہو جاتا ہے۔ محاورے اور ضرب المثل سے ان کا شغف غیر متوازن بلکہ مضحکہ خیز حد تک ہے۔ سورہ النساء آیت 10-2 کی وضاحت میں انھوں نے چودہ انگریزی محاورے استعمال کئے ہیں جن میں سے بیشتر قارئین کے لئے نامانوس ہیں۔ سورہ التوبہ کی آیت 60 بے غبار ہے کہ یہ ایک قطعی حکم الٰہی پر مشتمل ہے کہ زکوٰۃ کے مستحقین کون کون ہیں۔ اپنے وضاحتی ترجمے میں موصوف نے ابتداء دو محاوروں کے ساتھ اس طور پر کی ہے کہ زکوٰۃ کسی لکھ پتی کو دینا ایسا ہی ہے جیسے دریائے ٹیمز، لندن میں پانی انڈیلا جائے یا الٹے بانس بریلی۔ اس غیر ضروری، طول طویل وضاحت سے قرآن مجید کے اصل مقصود یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے حکم کے مالہٗ و ماعلیہ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ موصوف نے اپنے اس قماش کے حواشی کو ''سائنٹفک'' (سائنسی) قرار دیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض پہلو قادیانیت کے بارے میں ان کا کلمۂ خیر ہے۔ ہر چند کہ سورہ الاحزاب آیت 40 کی تشریح میں ''خاتم النبیین'' کے حوالے سے انھوں نے آپ کو نبی آخر الزماں دوٹوک اور غیر مشروط انداز میں تسلیم کیا ہے لیکن سورہ الصف آیت 6 میں ''احمد'' کے ذیل میں مرزا غلام احمد کو عیسیٰ مسیح کا مثیل اور اپنے ''اشاریہ'' میں ان کو ''مجدد'' قرار دیا ہے اور ''مجدد'' کی وضاحت اس پیرایہ میں کی ہے جو صرف مرزا غلام احمد سے مطابقت رکھتی ہے۔ مزید برآں پیغام صلح (مارچ 1951) میں محمد علی لاہوری، معروف قادیانی مترجم قرآن مجید، نے غلام رحمانی نوری کو اپنے مخلص رفیق کے طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے ان قرائن اور شواہد سے نوری کے قادیانی ہونے کا شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ مختصراً یہ ترجمہ زبان و بیان، پیش کش کے انداز اور مندرجات کسی لحاظ سے بھی قابل ذکر نہیں۔ آئندہ صفحات میں صرف ممتاز، معیاری مسلم مترجمین کا مختصر تعارف اور تجزیہ پیش ہے۔

ممتاز مسلم تراجم

مسلمان اہل قلم کے تراجم میں پہلے قابل ذکر، معیاری اور مستند انگریزی ترجمے کا اعزاز برطانوی/ عیسائی/ نومسلم محمد مارماڈیوک پکتھال (1936-1875) کو حاصل ہے۔ اوائل عمر میں انھوں نے بطور انگریزی ناول نگار شہرت حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ فلسطین سیاحت کے لئے گئے اور وہاں اسلامی/عرب طرز زندگی کا بغائر مشاہدہ کیا۔ 1917 میں وہ مشرف بہ

اسلام ہوئے۔ 1925 میں ان کی گراں قدر علمی خدمات کے پیش نظر نظام حیدر آباد دکن نے انھیں اپنا مشیر تعلیمی مقرر کیا اور 1928 میں نظام نے ان کو دو سال کی باتنخواہ خصوصی رخصت عنایت کی تا کہ وہ یکسوئی سے انگریزی ترجمے کی خدمت انجام دیں۔ 1930 میں انھوں نے ٹکسالی انگریزی میں ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس ترجمے کو غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی اور اس کے تقریباً 200 ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس ترجمے میں انھوں نے اپنے دور (1930) کی وہ معیاری انگریزی اختیار کی جو اس دور کے بائیبل کے انگریزی تراجم میں بھی مستعمل تھی۔ البتہ مرور ایام کے باعث ترجمے کی زبان اب قارئین کے لئے بڑی حد تک نامانوس بلکہ اجنبی ہو چکی ہے۔ اسی کے پیش نظر 1996 میں عرفات العاشی نے جدید آسان انگریزی کے قالب میں اس ترجمے کو پھر پیش کیا۔ یہ نظر ثانی اور تسہیل شدہ ایڈیشن اصل کے مقابلے میں قارئین کے لئے زیادہ کارآمد ہے[۲۲]۔

ہر چند کہ پکتھال کا ترجمہ اصل متن قرآن مجید کے بڑی حد تک مطابق ہے اور اپنے مختصر حواشی میں یہ اہل السنت والجماعت کی آراء سے ہم آہنگ ہے۔ البتہ یہ اصلاً محض ترجمہ ہے اور اس کا تفسیری اور تشریحی پہلو برائے نام اور تشنہ ہے۔ مصنف کے حواشی کی غیر موجودگی میں ان کے ذہن اور نقطۂ نظر کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تشریح اور توضیح سے عاری ہونے کے باعث قارئین پکتھال کے اس ترجمے سے قرآن مجید کے پیغام ہدایت سے کماحقہٗ استفادہ نہیں کر سکتے۔ وہ قرآنی تلمیحات، اصطلاحات، واقعات، شخصیات اور قصص پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے۔ اس بیش قیمت ترجمے میں یہ خلا بہت سنگین اور افسوس ناک ہے اور اسی باعث یہ فہم قرآن میں زیادہ مفید نہیں[۲۳]۔

عبداللہ یوسف علی (1872-1953) کا ترجمہ مقبول ترین اور انتہائی کثیر الاشاعت ہے۔ اب تک اس کے دوسو سے زائد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ عبداللہ یوسف علی نے مغربی دانش گاہوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور برطانوی ہند کی مؤقر سول سروس کے عہدے دار مقرر ہوئے۔ ان کا مکمل ترجمہ 1937 میں منظر عام پر آیا۔ مبسوط تفسیری حواشی اس ترجمے کا ایک امتیازی پہلو ہیں۔ اپنے ترجمے میں انھوں نے لفظی ترجمے کے بجائے آزاد ترجمانی کو ترجیح دی، اسی باعث یہ

ترجمہ دیگر تراجم کے بالمقابل نسبتاً زیادہ سلیس اور رواں ہے۔ ان کو انگریزی زبان و بیان پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس اعتبار سے بھی یہ ترجمہ دیگر تراجم سے فائق ہے۔ البتہ ان کے دور کی تقریباً 80 سال قبل کی مرصع انگریزی اب بڑی حد تک نامانوس بلکہ متروک ہو چکی ہے اور عام قاری کو ان کی مقفیٰ زبان کی افہام اور تفہیم میں دشواری پیش آتی ہے۔ اپنے مفصل تفسیری حواشی میں انھوں نے قرآن مجید کے معنیٰ اور مطلب کو بڑی حد تک اپنی فہم اور ذاتی رائے کی بنیاد پر پیش کیا ہے۔ لہٰذا یہ کچھ عجب نہیں کہ ان کے متعدد حواشی اہل السنّت و الجماعت کے عقائد کے ترجمان نہیں بلکہ ان عقائد کو مجروح اور مسخ کرنے کے مرادف ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے معجزات، جنت کے لذائذ اور دوزخ کے شدائد اور جملہ امورِ غیب کی تاویل بطور استعارہ، تمثیل اور علامت کی ہے۔ جہاد، تعدد ازدواج، عرش، ملائکہ، یوم حشر میں حساب کتاب وغیرہ کی تعبیر ان کی تجدد زدگی، معذرت خواہانہ فکر کی چغلی کھاتی ہے[۲۴]۔ ان کی اصل تصنیف میں جنت کے اسلامی تصور پر ایک ضمیمہ شامل تھا جسے نظر ثانی شدہ ایڈیشن سے حذف کر دیا گیا ہے۔ جنت کے بارے میں ان کے تحفظات ذہنی کا اندازہ ان کے ان جملوں سے ہوتا ہے: ''اسلام کے بعض کم علم مخالفین یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے حسّی، مادی جنت کا تصور پیش کیا ہے اور اپنے اس الزام کے ثبوت میں وہ ہمارے چند مادہ پرست ہم مذہبوں کی جنت سے متعلق تحریریں پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت ہمارا عقیدۂ آخرت صرف عذاب اور ثواب سے عبارت نہیں۔ ثواب کی لالچ میں نیک کام کرنا یا عذاب کا خوف ہمارے روحانی ارتقاء کا بالکل ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں اعلیٰ اغراض و مقاصد فہم سے بالاتر ہوتے ہیں البتہ جیسے جیسے اسلام کا نورِ حق ہماری روح کو منور کرتا جاتا ہے نیکی اور بدی عذاب اور ثواب کے مرادف ہوجاتے ہیں''۔ بالفاظ دیگر عذاب اور ثواب کا اپنا کوئی وجود یا مقام نہیں۔ سورہ الدخان آیات 55-51 میں مذکور جنت کے لذائذ کے بارے میں ان کا تبصرہ بلکہ قول فیصل یہ ہے: ''قرآن مجید کے ان علامتی الفاظ سے یہ بالکل مراد نہیں کہ جنت میں کھانا پینا، لباس، شادی یا کوئی بھی مادی شے وہاں ہوگی''۔ ان کا اصرار ہے کہ حور محض پاکیزگی کی علامت ہیں اور ان کا جسمانی وجود نہیں۔ سورہ الاعراف آیت 50 میں مذکور اہل دوزخ کی پانی کی شدید طلب کو انھوں نے رضائے الٰہی کے مصداق ٹھہرایا ہے کہ ان کے مطابق جنت میں پانی

جیسی کوئی شے نہیں ہوگی اور نہ ہی اہل دوزخ کو اس کی حاجت ہوگی۔ سورہ الدہر آیت 16-15 میں لذائذ جنت کے ذیل میں چاندی اور شیشے کے برتن اور جام کا تذکرہ ہے، ان کی تفسیر کی رو سے یہ سارا تذکرہ ''محض علامتی ہے جنت میں چاندی اور شیشے کا گذر نہیں''۔ اسی منطق کی رو سے وہ عذاب یا سزا کے بھی قائل نہیں۔ عذاب کو وہ روحانی عواقب سے تعبیر کرتے ہیں اور قرآن مجید میں جہاں دگنے یا کئی گنا عذاب کا ذکر کیا ہے ان کے مطابق یہ الفاظ محض علامت ہیں ان کا تعداد یا کمیت سے کوئی علاقہ نہیں۔ (دیکھئے سورہ الاعراف آیت 38 پر ان کا تفسیری حاشیہ)۔ البقرہ آیت 102 میں ملائکہ ہاروت ماروت کا ذکر آیا ہے ان کی تشریح کی رو سے یہ ملائکہ نہیں بلکہ صاحب علم اور اقتدار اشخاص تھے۔ سورہ الجن میں مذکور جن ان کے مطابق عرب میں وارد اجنبی افراد ہیں۔ ان کے ترجمہ سے منسلک تفسیری ضمیموں میں انھوں نے قصۂ یوسف، آیت نور اور دیگر امور غیب کو حسب معمول علامتی اور تمثیلی پیرائے میں بیان کیا ہے۔ چونکہ یہ ترجمہ مقبول اور رائج تھا اس کے مضر اثرات پر قابو پانے کے لئے دار الافتاء وزارت مذہبی امور، سعودی عرب حکومت نے علماء اور فضلاء کے ایک منتخب گروہ کو اس تصنیف کی نظر ثانی پر مامور کیا۔ 1989 میں نظر ثانی شدہ ایڈیشن زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ نظر ثانی کے نتیجے میں ان کے سینکڑوں قابل اعتراض حواشی اور ضمیموں کو حذف کر دیا گیا ہے اور اب یہ تصنیف بڑی حد تک اہل السنّت والجماعت کے عقائد سے متصادم نہیں ہے[۲۵]۔ البتہ مصنف کی اجازت اور ایما کے بغیر پس از مرگ نظر ثانی کا یہ رجحان صحت مند اور مثبت علمی کاروائی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بہر کیف یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ عبداللہ یوسف علی کے ترجمے نے قرآن فہمی میں اضافہ کیا اور یہ ایک باوقار عالمانہ شان کا حامل ترجمۂ قرآن مجید ہے جس کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے۔

- عبدالماجد دریابادی (1977-1892) کو اہل السنّت والجماعت یا اہل جمہور کے اولین نمائندہ مترجم ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ 1930 اور 1940 کے عشرے میں جب انھوں نے اس کار عظیم کا بیڑا اٹھایا اس وقت انگریزی میں محمد علی قادیانی، محمد مارماڈیوک پکتھال کا سر تا سر لفظی اور حواشی سے عاری اور عبداللہ یوسف علی کے تجدد زدہ تراجم دستیاب تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل جمہور کے عقائد اور مسلک کا ترجمان نہ تھا۔ عبدالماجد دریابادیؒ فلسفے میں بی۔اے۔ کے سند

یافتہ اور مغرب کی علمی روایات بالخصوص بین المذہبی مطالعات میں درک رکھتے تھے۔ عیسائی مشنریوں، مستشرقین اور مغربی تعلیم اور تہذیب کے پیدا کردہ فتنوں اور آزمائشوں کا مدلل اور مسکت جواب ان کے تفسیری حواشی کی امتیازی خصوصیت ہے، دورِ جوانی میں وہ خود الحاد کا شکار رہ چکے تھے لہٰذا انھیں جدید متشکک ذہن کا بخوبی اندازہ تھا اس کی تسلی اور تشفی کے لئے ان کے تفسیری حواشی اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی تصنیف کا دوسرا مابہ الامتیاز پہلو ان کا مذاہب عالم کا بصیرت افروز اور ایمان پرور تجزیہ ہے۔ ممتاز نو مسلم مصنفہ مریم جمیلہ نے اپنی خود نوشت سوانح میں اعتراف کیا ہے کہ تلاش حق کے دور میں جب وہ مغربی تہذیب اور تمدن اور اپنے آبائی مذہب یہودیت سے متنفر تھیں تو دریابادی کے ترجمۂ قرآن سے ان کو ہدایت نصیب ہوئی[۲۶]۔ تازہ ترین عصری، علمی اور فکری تحقیقات اور رجحانات سے بھرپور واقفیت اور قرآن مجید کی تشریح اور تعبیر میں ان سے استفادہ دریابادی کی تصنیف کا ایک مزید خوشگوار پہلو ہے اور اسی باعث یہ مغربی تعلیم یافتہ قارئین کے لئے نافع ہے۔

مغربی مآخذ علم سے براہ راست استفادہ کرتے ہوئے دریابادی نے اپنے تفسیری حواشی میں تازہ ترین تاریخی، جغرافیائی، اثری اور دیگر تحقیقات کا برمحل استعمال قرآن مجید کی حقانیت کو نمایاں کرنے کے لئے کیا ہے۔ مغربی اہل علم بالخصوص نفسیات، فلسفہ اور اخلاقیات کے ماہرین کی آراء سے استنباط کرتے ہوئے انھوں نے قرآنی تعلیمات کے عین فطری ہونے کے نکتے کو اجاگر کیا جو ان کے پیش نظر قارئین یعنی مغربی تعلیمی اداروں سے فارغ مسلمانوں کے ایمان اور ایقان میں استحکام اور اضافے کا موجب ہوا۔ دریابادی نے مذاہب عالم بالخصوص بائبل کا تنقیدی اور بابصیرت مطالعہ کیا تھا۔ اپنی تفسیر میں جابجا اس مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ اور تجزیے کا ثبوت ملتا ہے۔ بائبل کے اقتباسات پیش کرتے ہوئے انھوں نے قرآن مجید کی صداقت اور اعجاز کو اجاگر کیا ہے۔ دریابادی کی تفسیر سرمایۂ تفسیر اور جدید عصری علوم کا ایک خوشگوار گلدستہ ہے۔ وہ بیک وقت روایت کے امین اور محافظ بھی ہیں اور دور جدید کے مسائل کے شناور بھی۔ وہ ایک جانب اشرف علی تھانویؒ کے خوشہ چیں ہیں تو دوسری جانب مغربی فکر اور فلسفے سے آشنا اور آگاہ بھی۔

اپنے ترجمے میں انھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ ان کے انگریزی ترجمے کی عبارت اصل عربی متن کے ایسی پابند رہے کہ الفاظ کی ترتیب، جملوں کی ساخت اور تراکیب کی بندش میں بھی دونوں عبارتیں یکساں رہیں بالفاظ دیگر زیر ترجمہ آیت قرآنی کی لغوی خصوصیات اس کے انگریزی ترجمے میں ہو بہو منعکس ہوں۔ یہ فکر یقیناً متن قرآن کے تئیں ان کے انتہائی احترام اور ترجمے کے باب میں ان کی غایت احتیاط کا مظہر ہے لیکن اس سے ترجمے کے فن کے تقاضے صحیح معنوں میں پورے نہیں ہوتے۔ ترجمے کی کامیابی اور تاثیر کا راز صحت اور حسن بیان کے ساتھ اصل مفہوم اور معنی کو مؤثر طور پر ادا کرنے میں ہے۔ الفاظ اور جملوں کے دروبست کی یکسانیت پر بے جا اصرار، عبارت میں تصنع اور آورد کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ترجمے میں اس انتہائی پابندی اور احتیاط کی مثال کے برعکس ایک دوسرا طریقہ آزاد ترجمانی کا ہے جو عبداللہ یوسف علی اور مودودی کے تراجم میں مستعمل ہے۔ وہ زیر ترجمہ آیت کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں واضح ترین اور قابل تفہیم انداز میں پیش کرنے کے قائل ہیں۔ عربی سے ناواقف انگریزی تراجم کے قارئین کے لئے مؤخر الذکر طریقہ نسبتاً زیادہ مفید ہے البتہ آزاد ترجمانی کے باب میں یہ احتیاط لازم ہے کہ ترجمے کی عبارت میں غیر قرآنی مواد کی آمیزش کم سے کم ہو۔

ہر چند کہ دریابادی نے اپنا ترجمہ 1940 میں مکمل کرلیا تھا اس کی اشاعت غیر معمولی تاخیر سے اور محدود پیمانے پر ہوئی، اس کا پہلا ایڈیشن 1957 میں لاہور پاکستان سے طبع ہوا پھر 1985 میں اس کا مفصل نظر ثانی شدہ ایڈیشن لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کا ایک ملخص ایڈیشن 2001 میں انگلستان سے شائع ہوا جس کی اشاعت 2006 میں لکھنؤ سے بھی ہوئی۔ اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کے باعث اس کا اپنا جائز مقام نہ ملا۔ عصری تحقیقات پر مبنی اس کے بعض حواشی نظر ثانی کے محتاج ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی (1903-1979) نے اپنا علمی سفر بطور صحافی شروع کیا لیکن نوجوانی ہی میں اپنی اولین تصنیف الجہاد فی الاسلام کی بنیاد پر برصغیر میں متکلم اسلام کا مقام حاصل کرلیا۔ ان کی شہرۂ آفاق ترجمہ اور تفسیر قرآن تفہیم القرآن اردو میں 1972 میں چھ ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ البتہ 1987 میں پایۂ تکمیل تک پہنچا جو کہ

پاکستان سے شائع ہوا۔ اس کے متعدد ایڈیشن اس کی غیر معمولی مقبولیت پر دال ہیں گوکہ پاکستان سے شائع ان کے انگریزی ترجمے کی زبان معیاری نہیں ہے۔ اسی باعث تفہیم کے ایک نئے انگریزی ترجمے کی اشاعت انگلستان کے مؤقر علمی اور تحقیقی ادارے اسلامک فاؤنڈیشن سے ہنوز جاری ہے اور اب تک کُل 10 جلدیں (سورۃ الاحقاف تک) شائع ہوچکی ہیں۔

تفہیم القرآن میں سید مودودی کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عام قارئین کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے پیغام الٰہی کی مؤثر اور جامع ترجمانی بحسن وخوبی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ترجمہ لفظی یا آیت بہ آیت نہیں بلکہ معنیٰ کے لحاظ سے قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی ہے۔ ان کے تشریحی حواشی مفصل بھی ہیں اور بصیرت افروز بھی، گو بعض مقامات مثلاً سورۃ النور کی تشریح میں فقہی جزئیات اتنی طویل ہیں کہ قاری اس سے اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ تفصیلی احکام کے لئے متعلقہ فقہی کتب کے ابواب کا حوالہ کافی ہوتا۔

دور جدید کے فتنوں بالخصوص تجدد کے خلاف ان کے دلائل محکم اور دل نشین ہیں۔ مذاہب کے تقابلی مطالعے اور عصری تحقیقات کی روشنی میں بھی انھوں نے قرآنی تعلیمات کی حقانیت کا بھرپور اثبات کیا ہے۔ ان کے حواشی اسلام کو ایک جامع طرز حیات کے طور پر اجاگر کرنے میں بہت کامیاب ہیں اور مغربی تعلیم یافتہ طبقے کے شکوک کو دور کرنے میں کارگر ہیں۔ ان کے تفسیری حواشی کے مطالعہ سے اسلام پر ایمان اور ایقان میں اضافہ ہوتا ہے۔

البتہ پاکستان کی روز مرّہ کی سیاست میں جماعت اسلامی، پاکستان کے ملوث ہونے کے باعث ان کی تفسیر مخالف سیاسی اور مسلکی حلقوں میں مطعون اور نا قابل قبول ہے جو ملت اسلامیہ کی گروہی عصبیت کا ایک المناک باب ہے۔ بہر کیف اس امر میں کوئی شبہہ نہیں کہ تفہیم القرآن نے قرآن فہمی اور اسلام کے دور جدید میں جامع تعارف کا دشوار فریضہ احسن طور پر انجام دیا ہے۔

محمد تقی الدین الہلالی (1987-1893) اور محمد محسن خاں (1927) کا یہ اہم ترجمہ وتفسیر اولاً (1977) میں شائع ہوئی۔ مراکش کے عالم دین تقی الدین الہلالی اور پاکستانی طبیب اور

فاضل محمد محسن خاں نے ابن کثیر، طبری اور قرطبی کی تفاسیر اور صحیح بخاری سے ماخوذ احادیث کی روشنی میں اس تصنیف کی اشاعت کی سعادت حاصل کی۔ یہ تصنیف سلفی/ اہل حدیث طرزِ فکر کی نمائندہ ہے۔ دار السلام، ریاض، سعودی عرب کی جانب سے اس تصنیف کی اشاعت 1990 سے بڑے پیمانے پر جاری ہے۔ تفاسیر اور متفق علیہ احادیث سے ماخوذ یہ تصنیف قرآن فہمی کا ایک معتبر وسیلہ ہے۔ مترجمین نے حتی الامکان ذاتی آراء کے اظہار سے گریز کرتے ہوئے احادیث صحیحہ اور سلف کے اقوال پر انحصار کیا ہے اسی باعث یہ تصنیف معجزات اور امور غیب کے بارے میں ان مغالطوں اور تسامحات سے پاک ہے جو عبداللہ یوسف علی، محمد اسد، احمد علی اور بعض دیگر مترجمین کے ہاں در آئے ہیں۔ مثال کے طور پر الہلالی اور محسن خاں نے سورہ النمل آیت 82 میں مذکور ''دابۃ الارض'' کی توضیح اور تشریح مستند احادیث کے حوالے سے کی ہے جبکہ عبداللہ یوسف علی نے اسے استعارۃً مادیت پرستی سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طرح قرآنی اصطلاحات کی جامع اور ایمان افروز تشریح اس تصنیف کا ایک امتیازی پہلو ہے مثلاً محسنین، متقین، معروف ومنکر، حق و باطل، طیبات سے کیا مراد ہے۔ قرآنی احکام کے مالہ و ما علیہ سے واقفیت اس تصنیف کے مطالعے سے حاصل ہوتی ہے۔ غرضیکہ عقائد اور ایمانیات کی بے غبار تشریح کے باعث اس تصنیف کا مطالعہ، مفید اور بصیرت افروز ہے۔ متقدمین کی قرآن فہمی، نکتہ سنجی اور اخلاص میں کوئی کلام نہیں البتہ اس حقیقت سے مفر نہیں کہ احوال اور ظروف میں بنیادی تبدیلیوں کے باعث ان کے دلائل اور آراء آج کے قارئین کے حسب حال نہیں۔ یہ مفسرین کرام اپنے عہد کے نابغہ روزگار بے شک تھے لیکن آج اکیسویں صدی کے قاری کی ذہنی سطح اس کو درپیش مسائل اور اس کی علمی اور فکری ضرورتوں کا انھیں مطلق اندازہ نہ تھا اور نہ ہوسکتا تھا لہٰذا محض سلف کے اقوال پر مبنی تفسیر صرف ایک حد تک آج کے قارئین کی فکری، علمی اور ذہنی تشفی کا سامان فراہم کرسکتی ہے۔ اس نکتے کا اطلاق بڑی حد تک الہلالی اور محسن خاں کے اس ترجمے پر ہے۔

ممتاز نو مسلم محمد اسد (1900-1992) کا ترجمہ 1980 میں منظر عام پر آیا۔ اس سے قبل اسلامیات کے میدان میں وہ اپنی وقیع تصانیف کے حوالے سے اپنے علم و فضل کے لئے معروف تھے۔ وہ اصلاً پولینڈ کے باشندے اور یہودی دینی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔

1926 میں وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ان کے انگریزی ترجمۂ قرآن مجید کا پہلا جزو (سورہ التوبہ تک) رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کے زیر اہتمام شائع ہوا البتہ اس کے تفسیری حواشی میں معتزلہ فکر کے نمایاں اثر کے باعث اہل جمہور نے ان کے مکمل ترجمہ (شائع 1980) سے اعراض اور اجتناب کیا۔ اہل السنّت والجماعت کے عقائد سے اسد کے اختلاف اور انحراف کی فہرست خاصی طویل ہے۔ مختصراً وہ ابراہیمؑ کے دخول نار، عیسیٰؑ کے عہد طفلی میں کلام، جن کے وجود، اللہ کے استواء علی العرش اور دیگر معجزات اور امور غیب کے قائل نہیں، مختلف مسلم فضلاء نے اسد کے تسامحات پر گرفت کی ہے[۲۷]۔ انگریزی اسد کی گویا مادری زبان تھی عالم اسلام کے کوائف سے واقفیت اور مغربی ذہن اور فکر کا براہ راست درک کے پیش نظر ان کی تصنیف قرآن فہمی کے باب میں ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوتی۔ یہ افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ اپنے تفردات کے باعث اس کی یہ کاوش مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوئی۔

احمد علی (1994-1908) کا ترجمہ (1984) اپنے پیش روؤں عبداللہ یوسف علی اور محمد اسد سے فکری مماثلت رکھتا ہے۔ احمد علی انگریزی کے صاحب طرز ادیب تھے۔ 1932 میں رشید جہاں کے ساتھ انھوں نے افسانوں کا مجموعہ انگارے مرتب کیا۔ ترقی پسند مصنفین کے اس مجموعے میں شعائر اسلامی کے استخفاف کے باعث شدید احتجاج ہوا اور حکومت نے اس کی اشاعت پر پابندی عائد کی۔ احمد علی کا ترجمۂ قرآن مجید اولاً کراچی کے ایک غیر معروف ادارے سے شائع ہوا اور پھر جلد ہی دو ممتاز امریکی دانش گاہوں کے دار الاشاعت یعنی پرنسٹن اور آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے زیر اہتمام زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ احمد علی کے ہاں معجزات کی تردید اور صنفی مساوات پر اصرار ملتا ہے۔ مظاہر فطرت کے مشاہدے پر مبنی ابراہیمؑ کی تلاش حقیقت جو سورہ انعام میں مذکور ہے احمد علی نے اسے ابراہیمؑ کے والد آذر سے منسوب کیا ہے۔ واقعۂ معراج کو انھوں نے آنحضرت ﷺ کی مدینہ ہجرت پر محمول کیا ہے۔ ان کے بقول داوٗدؑ کے ہمراہ تسبیح الٰہی میں مشغول جبال اور طیور درحقیقت قبائلی سردار ہیں۔ اسی طرح سلیمانؑ کے قصے میں مذکور النمل اور ہدہد ان کے معاصر قبائل ہیں۔ قرآنی آیات کی بہ طور تمثیل تاویل ان کے ہاں بہ کثرت ملتی ہے۔ نسخ، تعدد ازدواج، جن، عورتوں کی گواہی وغیرہ کے بارے میں ان کی آراء اہل جمہور

سے مختلف ہیں اور ان کی تجدد زدگی کی غماز ہیں۔ قرآنی آیات اور الفاظ کو عجیب و غریب معنی پہنانے کی متعدد مثالیں اس ترجمے میں پائی جاتی ہیں۔ سورہ ص آیات 42-41 میں ایوبؑ کی جسمانی تکالیف اور ابتلاء کو شیطان سے منسوب کیا گیا ہے۔ احمد علی نے شیطان سے مراد سانپ لیا ہے اور دور کی یہ کوڑی لائے ہیں کہ سانپ کے کاٹنے سے جو جلدی بیماری انھیں لاحق ہوئی تھی اسی کے تدارک کے لئے قرآن مجید نے خصوصی طور پر ایک متعین چشمے کے پانی سے غسل کرنے کا انھیں حکم دیا تاکہ ان کو شفا ہو۔ سورہ القمر آیت 1 میں مذکورہ شق القمر کی یہ نادر توجیہہ کی ہے کہ قمر قریش کا قبائلی نشان تھا اور ان کے قبائلی علم پر ثبت رہتا تھا۔ اس طرح شق القمر قریش کی ہزیمت کا استعارہ ہے۔ احمد علی نے صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس میں سیاسی اور مسلکی رنگ بھی بھر دیا ہے، وہ رقم طراز ہیں کہ قمر کے بجائے اسلام نے ہلال کا نشان اختیار کیا اور صدیوں تک یہی رواج رہا لیکن وہابی سعودیوں نے اس کے بجائے تلوار جیسے خوفناک نشان کا انتخاب کیا اور تلوار کو اپنے قومی علم پر نقش کر کے اسلام کی شبیہہ ہی بدل ڈالی۔ تفسیر کے نام پر افسانہ طرازی اور سیاسی بیان بازی افسوسناک بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔ عیسیٰؑ کو عطا کردہ معجزات کا صریح انکار اور اس سے متعلق قرآنی آیات کی دور از کار لاطائل تاویل بھی ان کے ہاں ملتی ہے۔ انگریزی زبان کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف ہونے کے باوصف ان کے ترجمے کی زبان بعض مقامات پر مغلق اور غیر سلیس ہے۔ متعدد قرآنی آیات کی بہ طور تمثیل تشریح میں وہ محمد اسد کے غالی متبع ہیں بلکہ بعض مقامات پر انھوں نے اسد کے مسلک کو بجنسہ نقل کر دیا ہے۔ احمد علی کی اس تحریف معنوی پر متعدد فضلاء نے تنقید کی ہے[۲۸]۔

پکتھال اور اسد کے بعد ایک نمایاں نومسلم مترجم T.B. Irving (ٹی. بی. اِروِنگ) (1914-2002) ہوئے ہیں۔ ان کا اصلاً تعلق کناڈا کے ایک اسکاٹ Scott عیسائی خانوادے سے تھا۔ قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کے علاوہ انھوں نے اندلس کی مسلم تاریخ پر گراں قدر تحقیقی کام کیا۔ آپ کا ترجمہ 1985 میں اس ذیلی عنوان کے ساتھ شائع ہوا The First American Version (پہلا امریکی ترجمہ)۔ اس سے ان کی مراد اس ترجمے میں مستعمل امریکی انگریزی اور امریکی قارئین بحیثیت خصوصی مخاطب تھے لیکن چونکہ اس ذیلی عنوان سے

قرآن مجید کے ابدی پیغام کو جغرافیائی اعتبار سے محدود کرنے کا تاثر پیدا ہوتا ہے اور بائبل کے سینکڑوں اور بسا اوقات متضاد versions سے تشبیہ کے باعث اس ذیلی عنوان پر شدید اعتراضات ہوئے۔ گو کہ اروِنگ نے اپنے ترجمے کا نظر ثانی ایڈیشن 1992 میں شائع کیا لیکن اس ذیلی عنوان کو حذف نہیں کیا۔ مزید برآں اس ترجمے کے آئینے میں ان کی عربی زبان و بیان پر کمزور گرفت اور قرآنی اصطلاحات سے ناواقفیت جھلکتی ہے۔ انھوں نے آیات قرآنی کے عنوان بھی تجویز کیے ہیں جو کہ فعل عبث ہے کہ بسا اوقات ایک ہی آیت میں کئی مضامین کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان کے تفسیری حواشی مختصر بھی ہیں اور تشنہ بھی۔ ان کے ہاں قارئین کی فکری ہدایت کا کوئی اہتمام نہیں ملتا۔ ان کے تفردات اور تسامحات پر تیز و تند اعتراض کیے گئے[۲۹]۔ مصنف کے اخلاص کے باوصف ان کا ترجمہ تسلی بخش نہیں ثابت ہوا۔

احمد رضا خاں بریلوی (1921-1856) اپنے مخصوص مسلکی عقائد اور افکار کی بنا پر برصغیر میں بریلوی مسلک کے بانی کے طور پر معروف ہیں۔ ان کا اردو ترجمۂ قرآن کنز الایمان (1910) ان کے مسلک کا نمائندہ ہے۔ دیارِ مغرب میں مسلمانوں کے مقیم ہونے کے بعد اس مسلک کے پیروؤں نے اپنے نظریاتی دفاع اور اشاعت کے لیے اس کے انگریزی ترجمے کا اہتمام کیا۔ پہلا انگریزی ترجمہ حنیف اختر فاطمی قادری نوشاہی نے 1970 میں کیا جس کو ورلڈ اسلامک مشن، برطانیہ نے شائع کیا۔ 1988 میں مشہور پاکستانی بریلوی عالم شاہ فرید الحق نے اس کا نیا انگریزی ترجمہ پیش کیا جو زبان اور بیان کے لحاظ سے اپنے پیش رو سے فائق ہے[۳۰]۔

برطانوی ہندوستان میں مسلم تشخص کو خطرہ عیسائی مشنریوں اور اکثریتی ہندو فرقے دونوں کی جانب سے تھا۔ اس پس منظر میں احمد رضا خاں بریلوی نے مسلم تشخص کے بعض خارجی پہلوؤں کے اظہار پر اصرار کیا بتدریج اس اختلاف نے ایک علیحدہ مسلک کی شکل اختیار کر لی اور نوبت مناظرے بازی اور تکفیر تک پہنچی۔ دیوبندی/ بریلوی مسالک کا اختلاف ہماری حالیہ ملی تاریخ کا ایک شرمناک باب ہے اور یہ آویزش بسا اوقات برصغیر اور دیارِ مغرب میں انتہائی تکلیف دہ صورت حال کے طور پر رونما ہوتی ہے۔ دونوں مسالک کے مابین ایک شدید متنازع فیہ مسئلہ آنحضرت ﷺ کی بشریت اور امورِ غیب پر آپ ﷺ کے مطلع ہونے

کا ہے۔ متعلقہ قرآنی آیات کی تفسیر میں احمد رضا خاں نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر کو اجاگر کیا ہے اور اپنے مخالفین کو مطعون کیا ہے۔

عبدالمجید اولاکھ (دور تصنیف 1990 کا عشرہ) نے اپنے امریکہ قیام کے دوران تبلیغ اسلام کے لئے ایک نئے انگریزی ترجمۂ قرآن کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنا ترجمہ 1996 میں پیش کیا۔ اس کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اس ترجمے کے سرورق پر احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ اور تفسیر کنزالایمان کا ذکر انتہائی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اولاکھ کی تصنیف اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تراجم پر مشتمل ہے۔ اردو ترجمہ احمد رضا خاں بریلوی کی کنزالایمان سے مستعار ہے جبکہ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ خود ان کی اپنی کاوش ہے[۱۳]۔ ان کے تفسیری حواشی اور ضمیموں میں مخصوص بریلوی عقائد اور احمد رضا خاں کی جلالتِ علمی کا اظہار جلی الفاظ میں ہے۔ مترجم اپنا مافی الضمیر انگریزی میں ادا کرنے سے بڑی حد تک قاصر ہیں اسی باعث یہ ترجمہ غیر معیاری اور زبان و بیان کی فاش غلطیوں سے عبارت ہے۔

محمد طاہر القادری (پ 1951) فی الوقت پاکستان میں بریلوی مسلک کے نمائندہ ممتاز عالم دین ہیں اِن کا اردو ترجمہ وتفسیر عرفان القرآن 2006 میں اپنے انگریزی قالب میں شائع ہوا۔ ان کے تفسیری حواشی اُن کی مخصوص مسلکی فکر کے عکاس ہیں مثلاً متن قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کے مواقع پر ان کے ہاں توصیفی اور تعظیمی القاب کا اضافہ ملتا ہے۔ آیت نور کا مصداق بھی بڑی حد تک آپ ﷺ کو قرار دیا ہے ان کے بقول آیت میں مذکورہ نور الٰہی آپ ؐ کی ذات، مشکوٰۃ آپ ؐ کے سینۂ مبارک، مصباح یا چراغ آپ ﷺ کی نبوت اور زجاجہ آپ ﷺ کے منور قلب کے مرادف ہے۔ آپ ﷺ کے ''ما کان و ما یکون'' اور علم غیب سے واقف ہونا قادری کے عقیدہ کا جزو ہے۔ سورۃ الضحیٰ کی تشریح بھی ان کے مخصوص مسلک کی آئینہ دار ہے جس میں آپ ﷺ کے یتیم ہونے، متلاشی ہدایت ہونے اور نادار ہونے کی تردید آمیز تاویل کی گئی ہے۔

سماع موتی اور اولیاء اللہ کی تقدیس کے بارے میں بھی ان کی آراء اسی رنگ میں ہیں۔عصمت انبیاء پر ہر مسلمان کا عقیدہ ہے البتہ ان کے ہاں اس کی لئے ایسی تند و تیز ہے کہ بعض مقامات پر مضحکہ خیز اور غیر تاریخی تاویل در آئی ہے مثلاً ان کے خیال میں ابراہیمؑ کے والد کا کافر ہونا ابراہیمؑ کی شان کے منافی ہے لہٰذا انھوں نے یہ نکتہ پیدا کرنے کی سعی کی ہے کہ آذر درحقیقت ابراہیمؑ کے چچا کا نام تھا اور آذر کے لئے مستعمل قرآنی لفظ ''اب'' اور اس کے مشتقات استعارۃً ہیں جن سے مراد آپؑ کے کافر چچا ہیں۔تصوف کی تلقین اور تبلیغ بھی ان کے تفسیری حواشی کا جزو ہے۔اس تصنیف کا ایک نسبۃً غیر متوقع پہلو مصنف کی یہ کاوش ہے کہ آج کے تمام معروف اور غیر معروف سائنسی نظریات کو قرآن مجید سے ثابت کیا جائے ان کی دانست میں تازہ ترین سائنسی تصورات جن کا تعلق فلکیات، طبیعات اور جوہری توانائی سے ہے وہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔سائنس اور قرآن مجید میں کوئی تضاد نہیں کہ قوانین فطرت اسی تبارک وتعالیٰ کی قوت قاہرہ اور قدرت کاملہ کا مظہر ہیں جس نے قرآن مجید کو بہ طور ابدی کتاب ہدایت نازل کیا البتہ اسے مستحضر رکھنا لازم ہے کہ قرآن مجید کا براہ راست تعلق سائنس سے نہیں ہے وہ اصلاً ہدایت الٰہی کا سرچشمہ ہے۔سائنسی تصورات تغیر سے عبارت ہیں جبکہ قرآنی احکام اور ہدایات یوم آخر تک کے لئے عین لازم ہیں لہٰذا قرآن مجید کا سائنسی تصورات سے مکمل ارتباط صحت مند رجحان نہیں۔علامہ قادری علوم دینیہ کے شناور ہیں اس بدیہی حقیقت سے ان کی روگردانی نا قابل فہم ہے۔اس ترجمے کی انگریزی زبان معیاری ہے اس تصنیف کا ایک مزید خوشگوار پہلو یہ بھی ہے کہ اپنے مسلکی عقائد کا مناد ہونے کے باوصف اس میں دیگر مسالک پر طعن و تعریض یا تبرے بازی نہیں۔برصغیر کے بین المسلکی اختلاف اور تشدد کے پس منظر میں اس پہلو کی قدر و قیمت دوچند ہے۔ایک مخصوص مسلک کے ترجمان کے طور پر اس تصنیف کا اپنا اہم مقام ہے۔

ایک مزید قابل ذکر انگریزی ترجمہ اور تفسیر قرآن نامور دیوبندی عالم دین محمود الحسن (1920-1851) اور ان کے لائق اور فاضل شاگرد شبیر احمد عثمانی (1949-1887) کی مشترکہ کاوش ہے جس میں ترجمہ اول الذکر اور تفسیری حواشی مؤخر الذکر کے قلم سے ہیں۔اس کا انگریزی

ترجمہ محمد اشفاق حسین (پ 1931) نے انجام دیا جو 1991 میں منظر عام پر آیا۔ اصل اردو میں یہ ترجمہ اور تفسیر بہت زیادہ مقبول ہے اور عرصے سے رائج ہے۔

اس تصنیف کی اہمیت اس نکتے میں مضمر ہے کہ یہ دیوبندی مسلک کی نمائندہ ہے۔ اس کے تفسیری حواشی مستند مآخذ بالخصوص شاہ عبدالقادر کی تفسیر موضح القرآن پر مبنی ہیں۔ اس انگریزی ترجمۂ قرآن کی پذیرائی ایک حد تک انگلستان اور امریکہ میں ہوئی جہاں برصغیر کے مسلمان معاشی مہاجرین لاکھوں کی تعداد میں مقیم ہیں اور جن کی نوجوان نسل کی اصل زبان انگریزی ہے۔ علمائے دیوبند سے ارادت کے پیش نظر ان مسلم والدین کی یہ خوش عقیدگی ہے کہ ان نامور علمائے دیوبند کی یہ تصنیف ان کی اولاد در اولاد کی دینی اور ذہنی تربیت کا فریضہ انجام دے گی۔ اس حسن ظن کے علی الرغم حقیقت یہ ہے کہ اپنے زمانۂ تصنیف یعنی آج سے تقریباً ایک صدی قبل اور اس دور کے غیر منقسم برطانوی ہندوستان میں یہ تصنیف یقیناً بڑی قدر و قیمت کی حامل تھی لیکن حالات اور ظروف میں انقلابی تبدیلیوں کے باعث دیارِ فرنگ میں پروان چڑھے ان نوجوان مسلم قارئین کے ذہنی اور علمی تقاضے بہت بڑی حد تک مختلف ہیں۔ ہر چند کہ یہ ترجمہ و تفسیر قرآن پیغام الٰہی کی حقانیت اور ابدیت کو نمایاں کرنے میں خاصی کامیاب ہے لیکن طرز استدلال، محاورۂ بیان اور ذہنی اور علمی سطح کے مختلف معیار کے باعث ایک صدی قدیم یہ تصنیف آج کے قارئین کے لئے زیادہ سود مند اور کارگر نہیں۔

1992 میں ترک فاضل علی اوزاک کی سربراہی میں چار ترک فضلاء کا مشترکہ طور پر انگریزی ترجمۂ قرآن مجید شائع ہوا۔ یہ فضلاء جدید ترکی دانش گاہوں میں بطور استاد فائز ہیں۔ کمال اتاترک اور پھر اس کے بعد ترکی فوجی نظام کے ہاتھوں ترکی سے اسلام کو جلاوطن کرنے کے پس منظر میں ان ترکی فضلاء کی یہ کاوش ایک نیک فال کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ترکی میں عوام اور خواص کے اسلام سے قلبی تعلق اور قرآن مجید کو وسیلۂ ہدایت اور نجات کے طور پر اختیار کرنے کا مظہر ہے اپنے پیش لفظ میں ان ترک فضلاء نے یہ صراحت کردی ہے کہ یہ ترجمہ محض ایک علمی کاوش نہیں بلکہ ان کا مقصود قرآن مجید کے آفاقی حیات بخش پیغام کو عام کرنا اور غیر عربی داں قارئین کو اس نعمت عظمیٰ سے متعارف کرانا ہے۔ وہ قرآن مجید کی معجزاتی

تاثیر کے قائل اور اس منبع ہدایت کے طالب نظر آتے ہیں۔ اس تصنیف کا یہ پہلو البتہ کمزور ہے کہ یہ یوسف علی اور پکتھال کے ماقبل کے انگریزی تراجم سے مستعار ہے۔ حواشی بحیثیت مجموعی معیاری ہیں ان فضلاء نے مستند تفاسیر اور دیگر مآخذ سے استفادہ یقیناً کیا ہے لیکن اصلاً یہ حواشی عبداللہ یوسف علی کے ہیں۔ یہ علمی خیانت افسوس ناک ہے۔ بہرکیف ایک نئے ایمان افروز رجحان کے علمبردار کے طور پر ترک فضلاء کا یہ ترجمہ گراں قدر ہے۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں مغربی ممالک میں مقامی باشندوں میں قبول اسلام کی تعداد خاصی ہے اس کے عوامل متعدد ہیں: مغربی طرز حیات اور مادیت پرستی سے بے زاری، تلاش حق کی جستجو، سکون کی تلاش، پڑوسی مسلمانوں کا قابلِ رشک عائلی نظام وغیرہ ان کے علاوہ صوفیاء کی تعلیمات بھی قبول اسلام کا ایک محرک ثابت ہوئی ہیں۔ بہت سے نومسلم مرد اور خواتین صوفی حلقوں سے وابستہ ہیں۔ عبدالحق اور عائشہ بیولی کا ترجمۂ قرآن (1999) اسی رجحان کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ خاوند اور اہلیہ برطانوی عیسائی تھے اور توفیق الٰہی سے اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے، عائشہ بیولی نے متعدد عربی اسلامی مآخذ کا انگریزی ترجمہ پیش کرنے کی بھی سعادت حاصل کی۔ عبدالحق اور عائشہ بیولی نے اس ترجمے کا انتساب اپنے مراکش نژاد شیخ عبدالقادر صوفی کے نام سے کیا۔ البتہ اس تصنیف میں تصوف کی تبلیغ اور ترویج برائے نام ہے، حواشی ندارد ہونے کے باعث ان مترجمین کی ذہنی اور فکری ترجیحات اور تحفظات کا علم نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ یہ دونوں مغرب کے علمی ماحول کے پروردہ ہیں اور ترجمے کے فن اور اس کے مقتضیات سے آگاہ ہیں، اپنے ترجمے میں انھوں نے اس فن کے مطالبات اور آداب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا ہے۔ ترجمۂ قرآن مجید کے ضمن میں احتیاط پسندی اور زیادہ مطلوب اور محمود ہے لیکن ان مترجمین کے ہاں یہ احتیاط پسندی مطلق لفظی ترجمے سے عبارت ہے۔ اس کے نتیجہ میں ان کا ترجمہ بڑی حد تک بے معنیٰ اور مغلق ہوگیا ہے۔ ان کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ بیشتر قرآنی اصطلاحات، تراکیب اور الفاظ کا انھوں نے سرے سے ترجمہ ہی نہیں کیا ہے۔ ان کے انگریزی ترجمے کی ہر سطر میں تقویٰ، کفر، ایمان، صدق، مومن، آخرت اور توبہ جیسے کلیدی الفاظ اصل عربی میں بجنسہٖ برقرار

ہیں۔ غیر عربی داں قارئین اس عربی آمیز ترجمے سے استفادہ برائے نام کرسکتے ہیں۔ مترجمین کے ذہن پر مستولی تصوف کا عکس ان کے فرہنگ میں نمایاں ہے جس میں دین و دنیا جیسے بنیادی مظاہر کی تعبیر مابعدالطبیعاتی انداز میں کی گئی ہے۔ غرضیکہ اس تصنیف کی افادیت محدود ہے۔

ایک ترک فاضل علی انال کا ترجمۂ قرآن (2006) خاصا معیاری اور قابل قدر ہے۔ موصوف تفسیری روایت اور سرمائے کے شناور ہیں اور اپنے تفسیری حواشی میں جابجا طبری، ابن کثیر، قرطبی، رازی اور زمخشری کے اقتباسات اور حوالے دیئے ہیں۔ اس سے بھی اہم تر اور پُر مسرت پہلو اس ترجمے کا یہ ہے کہ موصوف نے ترکی میں احیائے اسلام کے علمبرداروں مثلاً بدیع الزماں سعید نورسی، سوات یلدرم اور فتح اللہ گلین کی صالح اور ایمان افروز فکر سے بھی خوشہ چینی کی ہے، ان کا ایک ماخذ سید مودودی کی مشہور تفسیر تفہیم القرآن کا ترکی ترجمہ بھی ہے۔ اپنے دیباچے میں موصوف نے عقائد اسلام اور قرآن مجید کا جامع تعارف، وجود باری کے دلائل، قرآن مجید کے جمع و تدوین کی روداد، قرآن مجید کے ادبی اور فنی محاسن اور قرآن فہمی کے اصول کو دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے تفسیری حواشی تفسیر بالماثور کی خوش گوار مثال ہیں۔ ان کے ہاں بسا اوقات یہ اہتمام بھی ملتا ہے کہ ایک قرآنی آیت کی تفسیر اور تشریح ہم معنیٰ دیگر قرآنی آیات سے کی جائے۔ مثلاً سورۃ البقرہ آیت 42 کی توضیح کے ذیل میں سورۃ البقرۃ آیات 174,140,79,71 اور 179، سورہ آل عمران آیت 167 اور سورۃ النساء آیات 13 اور 146 اور سورۃ المائدہ آیت 106 سے استشہاد اور استناد بہم پہنچایا ہے۔

قرآن مجید کی حقانیت کو آشکار کرنے کے لئے موصوف نے بعض مقامات پر بائیبل سے موازنے کا منہج بھی اختیار کیا ہے۔ اس تصنیف میں شامل دس ضمیمے مستند اور مفید مواد اور مترجم کی حکیمانہ فکر کے آئینہ دار ہیں۔ اس کے جامع اشاریئے بھی قارئین کے لئے کارآمد ہیں۔ البتہ اس ترجمے کی زبان اور بیان کا معیار مایوس کن اور پست ہے۔ اس میں در آئی سنگین غلطیاں انگریزی خوانوں کے لئے یقیناً سوہان روح ہیں اور اسی باعث اس قابل قدر

ترجمے سے فیض رسانی کا دائرہ بڑا محدود ہے۔

مترجمین قرآنِ مجید کی فہرست میں خواتین خال خال ہی ہیں اس نقطۂ نظر سے لیلی بختیار کے ترجمہ (2007) کا یقیناً خیر مقدم کرنا چاہئے البتہ علمی اور فکری لحاظ سے یہ ترجمہ انتہائی ناقص اور مغالطہ کن ہے۔ ترجمے کا ذیلی عنوان ہے کہ یہ ترجمۂ قرآن مجید حنفی، مالکی اور شافعی مکاتب فکر کا نمائندہ ہے۔ ترجمۂ قرآن مجید کے ذیل میں ان فقہی مکاتب کا ذکر ہی بے محل اور بے معنیٰ ہے اگر اس ترجمے میں شامل تفسیری حواشی میں احکام قرآنی کی تشریح ان مکاتب فکر کے مطابق ہوتی تو اس ذیلی عنوان کا کچھ جواز بھی ہوتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ترجمے میں کوئی توضیحی حاشیہ سرے سے شامل ہی نہیں جس سے اس ذیلی عنوان کے گمراہ کن اور لاطائل ہونے کا مزید ثبوت ملتا ہے۔

موصوفہ کی اصل اور غیر مشروط نظریاتی وفاداری شیعیت/تجدد زدگی اور آزادیٔ نسواں کی تحریک سے ہے ان کے فروغ کے لئے انھوں نے قرآن مجید کے پیغام کو مسخ شدہ شکل میں پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ موصوفہ نے اپنا تعارف اس طور پر کرایا ہے کہ "میں جدید عربی سے قطعاً ناواقف ہوں۔ میرا تعلق ایسے صوفی مسلک سے ہے جو بیک وقت جعفری شیعہ بھی ہے اور سنی بھی۔ میں نے نو سال جعفری مسلک کے افراد کے ساتھ ایران میں بسر کئے۔ میری تربیت میری عیسائی والدہ نے امریکہ میں کی جب کہ میرے ایرانی نژاد والد ان سے علیحدہ ایران میں مقیم رہے"[۳۲]۔ اس نور علی نور خاندانی پس منظر سے بھی زیادہ معنی خیز موصوفہ کے یہ فکری اور نظریاتی ماخذ ہیں۔

(الف) حجۃ الاسلام مجتبیٰ موسوی لاری جنھوں نے بقول موصوفہ ان کے تفسیری تفردات کی تائید اور توثیق کی، بالخصوص سورۃ النساء آیت 34 کی اس تشریح کی جسے موصوفہ کے قول کے مطابق گزشتہ چودہ سو سالوں میں کسی مفسر نے اب تک پیش نہیں کیا تھا۔

(ب) تحریک آزادیٔ نسواں کی سرخیل خواتین آمنہ ودود اور مارگریٹ بدران۔ اور

(ج) جے۔ ڈی۔ میک۔ آلف کی The Encyclopeadia of the Quran

(لائڈن، ہالینڈ، برل 2003) جو اسلام کے خلاف مستشرقین کے بغض وعناد سے مملو ہے۔

سورۃ النساء آیت 34 کی تشریح میں موصوفہ نے یہ گُل افشانی کی ہے ''قرآن کی رو سے مرد عورتوں کے محض رفیق/مددگار ہیں نہ کہ قوّام۔ قرآن نے مردوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ نافرمان بیوی سے پرے ہٹ جائیں''۔ یہ تفسیر بالرائے کی ایک عبرت ناک مثال ہے اور اس امر کی بھی اپنی خواہشات اور تحفظات ذہنی سے مغلوب ہوکر قرآنی تعلیمات کو کیسے مجروح اور مسخ کیا جاتا ہے۔

موصوفہ کی ایک مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ ان کا انگریزی ترجمہ بغیر کسی حوالے اور اعتراف کے بڑی حد تک ایک غیر مسلم ماہر اسلامیات اے.جی.آربیری کے انگریزی ترجمے (شائع 1955) سے مستعار ہے۔ غرض یہ کہ تصنیف فنی اور فکری دونوں لحاظ سے از حد ناقص ہے۔

مصر نژاد اور جامعہ الازہر شکاگو یونیورسٹی سے فارغ التحصیل اور عرصۂ دراز تک امریکہ میں مقیم عرب فاضل ڈاکٹر احمد ذکی حمّاد کا ترجمہ اور تفسیر (2007) قرآنیات میں ایک گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا سب سے نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس میں انگریزی خواں قارئین کی علمی اور فکری ضروریات اور ذہنی سانچے کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس حکمت کو بالعموم تراجم قرآن مجید میں اب تک نظر انداز ہی کیا گیا تھا۔ قارئین کو قرآن مجید کے پیغام کی جانب راغب کرنے، ان کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات اور اشکالات کو رفع کرنے کی حتی الامکان اور کامیاب کاوش ملتی ہے۔ مترجم کے طباع اور رسا ذہن کا کچھ اندازہ اس تصنیف کی فہرست مندرجات سے ہوتا ہے۔ انھوں نے میکانکی انداز میں سورتوں کے عنوان کے انگریزی ترجمے پر قناعت نہیں کی ہے بلکہ ہر عنوان کی معنویت اور پیغام کو بھی آشکار کیا ہے۔ مثلاً سورۃ الکافرون کے عنوان کے تحت یہ چشم کشا عبارت ملتی ہے ''وہ سورہ جس میں حضور اکرم ﷺ کو مطلع کیا گیا ہے کہ کفار کے باطل معبودوں اور خدائے واحد کی عبادت ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں''[۳۴]۔ سورۃ الانبیاء کے ذیل میں یہ بصیرت افروز جملہ ہے: وہ سورۃ جس میں 16 انبیاء کرام اور مریمؑ کا تذکرہ بحیثیت پیغام الٰہی کے حاملین اور

متاد کے طور پر ہے''۔ قرآنی سورتوں کا ابتداء ہی میں یہ تعارف نہایت حکیمانہ ہے کہ قرآن مجید کے پیغام اور اسلوب سے ناآشنا غیر مسلم حضرات پہلے ہی صفحے پر فہرست عنوانات مثلاً The Cow (البقرہ)، The Table Spread (المائدہ)، The Cattle (الانعام)، Thunder (الرعد)، The Bee (النحل)، The Sand Hills (الاحقاف)، The Winnowing Winds (الذاریات)، She that disputes (المجادلہ)، She that is to be examined (الممتحنہ)، The Ascending Stairways (المعارج)، He Frowned (عبس)، The Fig (التین) اور The Palm Fibre (المسد) وغیرہ دیکھ کر چونکتے ہیں۔ انھیں قرآن مجید کے پیغام سے مانوس کرنے اور ان کی ذہنی تالیف کے لئے فاضل مترجم نے ان عنوانات کی بخوبی وضاحت کردی ہے۔

حماد کا ترجمہ زبان و بیان اور حسنِ ادائیگی کے لحاظ سے قابل تحسین ہے۔ لفظی ترجمے کے بجائے انھوں نے قرآن کے مفہوم کی بھرپور ترجمانی کا التزام کیا ہے۔ ترجمے کا یہ اسلوب قرآن مجید اور عربی کے محاورۂ زبان سے ناآشنا قارئین کے لئے بڑا کارگر اور مؤثر ثابت ہوتا ہے البتہ مترجم کا ایک انتہائی حساس اور نازک فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی خیالات اور مرغوبات کو قرآن مجید کے ترجمے سے خلط ملط نہ کردے۔ یہ صراحت اس لئے بھی ضروری ہے کہ ضال اور مضل فرقوں اور مستشرقین نے اپنی اختراعات اور اپنی مخصوص مسلکی آراء سے قارئین کو ایک عرصے سے گمراہ کرتے رہے ہیں۔ اسی باعث ترجمہ قرآن کے باب میں علماء کا اصرار رہا ہے کہ ترجمے میں اولاً متن سے زائد کوئی عبارت شامل ہی نہ کی جائے اور اگر بدرجۂ مجبوری کوئی اضافہ کیا جائے تو اسے قوسین میں ترجمے کی عبارت سے ممتاز رکھا جائے تاکہ قارئین کو کوئی مغالطہ نہ ہو۔ فاضل مترجم نے اس دشوار گزار مرحلے کو بہ کمال احسن طے کیا ہے گو کہ ان کے ہاں قوسین کی صراحت کا اہتمام ہر جگہ برقرار نہیں رہا ہے۔

قرآن مجید کی مؤثر ترجمانی کے علاوہ بھی یہ تصنیف مطالعہ قرآن کی ایک اہم دستاویز کا مقام رکھتی ہے کہ اس میں تفاسیر، تراجم قرآن مجید اور قرآنیات پر کتب پر وقیع اور بلیغ تبصرے

شامل ہیں۔ یہ شستہ اور معیاری انگریزی میں تفسیر بالماثور کی بڑی حد تک کامیاب کاوش ہے جو کہ انگریزی قارئین کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فلسطین نژاد پروفیسر طریف خالدی ماہر اسلامیات اور مغربی جامعات میں علوم اسلامیہ کے فاضل کے طور پر معروف ہیں۔ ان کا یہ ترجمہ (2008) ایک مؤقر مغربی ناشر پنگوئن نے شائع کیا ہے۔ اسی ناشر نے 1956 میں ایک عراقی یہودی فاضل نسیم جوزف داؤد کا انگریزی ترجمۂ قرآن مجید شائع کیا تھا جس کا دیباچہ بالخصوص اسلام/حضور اکرم ﷺ کے خلاف بغض وعناد سے پُر ہے، البتہ گزشتہ پچاس سال سے یہی ترجمہ مغربی ممالک کی دانش گاہوں، کتب خانوں اور کتب فروشوں کے ہاں باریاب رہا ہے، اسی ناشر نے 1988 میں سلمان رشدی کی رسوائے زمانہ تصنیف The Satanic Verses شائع کی تھی۔ یہ بہر کیف مقام مسرت ہے کہ اب اسی ناشر نے مستند مسلم عقائد کے نمائندہ اس ترجمۂ قرآن مجید کو شائع کرنے کا اہتمام کیا اور مترجم کے طور پر ایک معتبر مسلمان فاضل کا انتخاب کیا۔

اپنے دیباچے میں خالدی نے پورے انشراح اور اعتماد کے ساتھ قرآن مجید کا تعارف، اسلام میں اس کی کلیدی اہمیت، اس کی صحت، اس سے ملت اسلامیہ کے قلبی شغف، اس کے اسلوب کی گوناگوں خصوصیات اور اس میں مذکورہ عقائد اور تصورات کی وضاحت کی ہے۔ مستشرقین نے صدیوں سے اہل مغرب کے ذہن کو قرآن مجید کے خلاف مسموم کر رکھا ہے، خالدی کا یہ تعارف ان کے لئے تریاق کی مانند ہے۔ مثال کے طور پر ان کا یہ بصیرت افروز بیان: ''قرآن کے پیغام کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہیں۔ تمام کتب سماوی میں صرف قرآن نے ان کے مابین مساوات کو ملحوظ رکھا ہے''[۴۴]۔ فاضل مصنف نے بڑی دلسوزی کے ساتھ اہل مغرب کو دعوت دی ہے کہ وہ امن وسلامتی کے علمبردار قرآن مجید کا مطالعہ معروضی اور منصفانہ طور پر کریں کہ باہمی تعاون ہی میں انسانیت کی مسرت اور بقا مضمر ہے۔ بعض مقامات پر البتہ ان کا قلم مستشرقین کی اسلام/قرآن مجید مخالف فکر سے قدرے مرعوب اور مغلوب نظر آتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی یہ ترجمہ مغرب میں قرآن فہمی کے فروغ میں معین ثابت ہوگا۔

ان کے ترجمہ میں یہ ندرت ملتی ہے کہ باہمی مکالمے کے انداز کو اختیار کیا گیا ہے اور بیش تر آیات کا ترجمہ صیغۂ حال میں کیا ہے تا کہ قارئین قرآن مجید کے پیغام کو اپنا براہ راست مخاطب تصور کریں اور اس پر غور وفکر کریں۔

شیعہ تراجم

سجاد وفاخانی میر احمد علی (م 1977) کو برصغیر کے اولین شیعہ مترجم قرآن ہونے کا امتیاز حاصل ہے گو کہ ان کے تفسیری حواشی ایک دوسرے شیعہ عالم آیت اللہ آقا مہدی پویا یزدی کے رشحات قلم پر مشتمل ہیں۔ 1964 میں یہ ترجمہ وتفسیر پہلی بار پاکستان سے طبع ہوا۔

میر احمد علی کا انگریزی ترجمہ بڑی حد تک محمد مارماڈیوک پکتھال کے ترجمۂ قرآن مجید (شائع شدہ 1930) سے مستعار ہے۔ یہ امر باعث افسوس ہے کہ میر احمد علی نے اپنے اس ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ کلام الٰہی کی خدمت کے ذیل میں یہ علمی بددیانتی مزید قبیح ہے۔ اس ترجمۂ قرآن کے عنوان ہی سے اس کے شیعہ مسلک کے ترجمان ہونے کا اعلان ملتا ہے[۴۵]۔ یہ اظہار اس لحاظ سے بہتر ہے کہ ناواقف قارئین کو کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ مخصوص شیعہ عقائد کی وضاحت، تاویل اور دفاع کے علاوہ اس تصنیف میں غیر شیعہ حضرات کی مذمت کی گئی ہے۔ تفسیری حواشی غدیر خم، علیؓ کی افضلیت، متعہ، ماہ محرم میں ماتم، تبرّیٰ، تقیہ اور شہادت حسین جیسے مخصوص شیعہ عقائد اور افکار سے مملو ہیں اور شیعہ اسلام ہی کو اصل اسلام کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ البقرہ آیت 124، الاحزاب آیت 33، الشوریٰ آیت 23 اور المائدہ آیت 55 سے انھوں نے یہ نتائج برآمد کئے ہیں: (الف) علیؓ اسی امامت کے مرتبے پر فائز ہیں جو اللہ نے ابراہیمؑ کو عطا کیا تھا۔ (ب) اللہ نے علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو مہد سے لحد تک معصوم عن الخطاء رکھنے کا خصوصی نظم فرمایا۔ (ج) اہل بیت سے محبت اور عقیدت ایمان کا لازمی جزو ہے اور (د) امام ہی اہل ایمان کا اصل پیشوا ہوتا ہے۔

ایم. ایچ. شاکر (دور تصنیف 1970 کا عشرہ) کا ترجمہ گو عام طور پر دستیاب ہے کہ اب تک اس کے 43 ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن مترجم کے حالات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے متعلق صرف یہ مصدقہ روایت ہے کہ انھوں نے اسماعیلی شیعہ پاکستانی عالم محمد علی

حبیب (م 1959) کے غیر مطبوعہ ترجمۂ قرآن کو مرتب اور مدون کیا تھا۔

اس ترجمۂ قرآن کی اشاعت کی داستان حیرت انگیز ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1968 میں پاکستان سے شائع ہوا اور گوشۂ گمنامی میں پڑا رہا۔ انقلاب ایران کے بعد 1982 سے اس کے متعدد ایڈیشن ایران اور امریکہ سے شائع ہو چکے ہیں اور سرکردہ شیعہ اداروں مثلاً محمدی ٹرسٹ، زہرا ٹرسٹ، عزا خانۂ زہرا، اہل البیت فاؤنڈیشن اور تحریک ترسیلِ قرآن، امریکہ نے اس کی طباعت اور وسیع پیمانے پر اشاعت کا فرض انجام دیا ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ہندوستانی سنی عالم دین وحید الدین خاں کے اشاعتی ادارے گڈورڈ، نئی دہلی سے بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں[۳۶]۔ اسی طرح اس کا یہ بھی تعجب خیز پہلو ہے کہ بعض ایڈیشنوں میں حواشی موجود ہیں اور بعض میں ندارد۔ تفسیری حواشی خالصۃً شیعہ مسلک کے نمائندہ ہیں۔ مترجم نے پورے وثوق کے ساتھ اعلان کیا ہے کہ قرآن مجید کی رو سے آنحضرت ﷺ کے جانشین صرف علیؓ ہیں۔ حسینؓ کے ہادی ہونے پر بھی اصرار ہے۔ ان کے مطابق صرف شیعہ ائمہ قرآن مجید کی تعبیر اور تشریح کے اہل ہیں۔ اپنے شیعہ عقائد کے اثبات میں مترجم نے دعویٰ یہاں تک کیا ہے کہ بائبل میں حسنؓ اور حسینؓ کی بعثت اور شہادت کی پیشن گوئی ملتی ہے۔ سورۂ المائدہ کی آیت 3 میں اسلام کی تکمیل کا اعلانِ الٰہی ہے۔ مترجم نے اس کا انطباق غدیر خم اور علیؓ کی خلافتِ رسول پر کیا ہے۔ اسی طرح ترکیب قرآنی ''ایام اللہ'' کو بارہ معصوم ائمہ کے یومِ ولادت اور یوم وفات پر محمول کیا ہے۔

غرض یہ کہ یہ ترجمہ شیعہ عقائد کا بے باک اور بے محابا ترجمان ہے[۳۷]۔ اور اس ضمن میں متن قرآنی کے سیاق اور سباق حتی کہ تاریخ سے اسے سروکار نہیں۔ مخصوص شیعہ نقطہ نظر کے مطالعے کے لئے بہر کیف یہ ایک اہم ترجمہ ہے۔ اس ترجمے پر معتزلہ فکر کی بھی چھاپ نظر آتی ہے۔ شاکر نے ''عرش'' کا ترجمہ بالتزام اقتدار اور قوت سے کیا ہے۔ ''استواء علی العرش'' کے براہ راست اور لغوی ترجمے کے بجائے ان کا یہ بیان ملتا ہے: ''اللہ انتہائی قوی ہے''۔ حاملین عرش الٰہی ملائکہ (المومن آیت 7) سے مراد انھوں نے محض طاقت اور اقتدار لیا ہے اور ملائکہ اور عرش کا ترجمہ حذف کر دیا ہے۔ ان کے مطابق ''کرسی'' سے مراد علم ہے۔

اگلا قابل ذکر شیعہ ترجمۂ قرآن ایرانی فاضل محمد باقر بہبودی کی تفسیر معانی القرآن کا انگریزی ترجمہ از کولن ٹرنر (Colin Turner) ہے یہ 1997 میں شائع ہوا۔ مخصوص شیعہ عقائد کی ترجمانی کے پہلو بہ پہلو اس تصنیف میں مسلکی اختلاف بلکہ مزید انتشار کو فروغ دینے کا افسوس ناک رجحان ملتا ہے مثال کے طور پر سورہ التوبۃ آیت ۹ میں غار ثور میں آنحضرت ﷺ کے رفیق اور خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ کی کردار کشی، سورہ الکوثر میں وارد ''فصّل'' نماز کے حکم کو فاطمہؓ کی پیدائش پر شکر ادا کرنے پر محمول کرنا، صحابۂ کرامؓ بالخصوص مہاجرین مکّہ کے خلاف سبّ وشتم، اس تصنیف کے قابل اعتراض پہلو ہیں۔ تخلیق کے بارے میں مصنف کا حاشیہ سائنس کے نظریات اور حقائق سے ان کی لاعلمی کا غماز ہے۔ اسرائیلیات پر انحصار کے باعث قصص النبیین کے ترجمے اور تشریح میں بہبودی نے عجب گل کھلائے ہیں مریمؑ اور اصحاب کہف کے تذکرے میں ان کی رنگ آمیزی ناقابل قبول حد تک ہے۔ المائدہ آیت 67 میں آپ کو تبلیغ دین کا سادہ حکم دیا گیا ہے ''بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ'' اس پر یہ حاشیہ چڑھایا ہے کہ ''چونکہ آپؐ کی وفات کے بعد اہل ایمان کو قائد کی ضرورت ہوگی لہٰذا آپؐ فوراً اپنا جانشین مقرر کریں ورنہ امت مسلمہ کا حال آپؐ کے بعد یہود ونصاریٰ سے بھی بدتر ہو جائے گا۔ آپؐ بلا تاخیر اس آیت کی تشریح فرمادیں جس میں اللہ نے آپ کے جانشین کو نامزد کیا ہے۔ اگر آپؐ نے یہ کام انجام نہ دیا تو بحیثیت پیغمبر الٰہی آپؐ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں ناکام ثابت ہوں گے۔ اس باب میں آپؐ مخالفین کی مطلق پرواہ نہ کریں کیونکہ وہ کافر ہیں اللہ آپؐ کی نصرت فرمائے گا''۔ ان اقوال زریں کی سند کے طور پر کوئی حوالہ بھی نہیں ملتا۔ بہبودی کی پوری تفسیر معنی القرآن کا یہی رنگ ہے کہ کسی ماخذ کا سراغ نہیں ملتا جبکہ موصوف کا تعارف 1990 میں تہران کے استاد تفسیر اور حدیث کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کی زبان کا معیار بھی پست ہے۔

علی قلی قارائی ایک معروف شیعہ فاضل ہیں اور ان کے مقالے اکثر مجلہ التوحید (تہران) کی زینت میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔ موصوف نے متعدد عربی اور فارسی دینی کتب کو انگریزی جامہ عطا کرنے کی بھی سعادت حاصل کی ہے۔ اپنے پیش رو شیعہ تراجم قرآن مجید از سجادی وفا خانی میر احمد علی (شائع 1964)، از ایم۔ ایچ۔ شاکر (شائع 1968) اور از محمد باقر

بہبودی (شائع 1997) کے مقابلے میں اس ترجمۂ قرآن میں مسلکی عصبیت ناگوار اور ناقابل قبول حد تک یقیناً نہیں ہے کہ مذکورہ بالا مترجمین کے برخلاف موصوف نے اپنے تفسیری حواشی میں خلفاء راشدین، صحابہ کرام، اموی حکمرانوں اور موجودہ سعودی حکمرانوں کو مطعون نہیں کیا ہے اور اسی طرح قرآنی آیات کے سیاق وسباق اور معنیٰ کو پس پشت ڈالتے ہوئے ان سے مخصوص شیعہ عقائد برآمد نہیں کئے ہیں۔ مثلاً امامت، تقیہ، متعہ، تبرّیٰ، ماہ محرم میں عزاداری، واقعہ غدیر خم وغیرہ کا جواز اور اہل بیت کی غلو آمیز تعظیم۔ البتہ موصوف اس جادۂ اعتدال پر صرف اپنے تفسیری حواشی کی حد تک گامزن رہے ہیں ورنہ ان کے ''اشاریۂ قرآن مجید'' کے بموجب یہ تمام عقائد متن قرآن مجید میں جاری اور ساری ہیں۔ ان کے بقول فاطمہؓ کا ذکر ان قرآنی آیات میں آیا ہے: آل عمران: ۳/۶۱، الروم: ۳۰/۳۸، الدخان: ۴۴/۳، الرحمٰن: ۵۵/۱۹-۲۰، المجادلہ: ۵۸/۱، الحشر: ۵۹/۹، اور الدہر: ۷۶/۶ اور ۲۲۔ اسی طرح حسینؓ ان قرآنی آیات میں مذکور ہیں: الصافات: ۳۸/۱۰۷، الرحمٰن: ۵۵/۲۲ اور الفجر: ۸۹/۲۷-۳۰۔

اس سے بھی زائد حیرت زا انکشاف موصوف نے یہ کیا ہے کہ 40 قرآنی آیات امام مہدی، 60 آیات امامت اور ولایت، 68 آیات منکرین عقیدۂ امامت اور 73 آیات متبعین عقیدۂ امامت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کے طالب علموں کے لئے کیسی غیر متوقع خبر!

موصوف مؤثر اور معیاری ترجمے کی اپنی سعی میں بلاشبہ کامیاب رہے ہیں۔ ترجمے کے میدان میں اپنے وسیع تجربے کے باعث وہ اس فریضے سے بدرجۂ احسن عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ ان کا ترجمہ متن کی ترجمانی، دل کش اسلوب تحریر اور قارئین کی ذہنی اور علمی ضروریات کو پورا کرنے میں کارگر ہے۔ دورِ حاضر کے بعض اہم معاملات اور مسائل مثلاً تکثیری معاشرے، مختلف مذاہب اور ثقافت کے پیروؤں کے شانہ بہ شانہ زندگی بسر کرنا اور اسلام پر کاربند رہنا وغیرہ کے بارے میں صرف اچٹتے ہوئے، سرسری اور سطحی جملے ایک دو مقامات پر ملتے ہیں۔ مصنف دورِ حاضر کے ایک باخبر فاضل ہیں اگر وہ ان مسائل کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے تو اس تصنیف کی وقعت اور افادیت میں اضافہ ہوتا۔ آج کے شارحِ قرآن مجید کی یہ اہم

اور نازک ذمہ داری ہے کہ وہ موجودہ صورتحال کے سیاق وسباق میں ہدایت قرآنی کا درس دے اور قارئین کو آج کے مسائل سے شرعی نقطۂ نظر سے نبرد آزما ہونے کی تبلیغ اور تلقین کرے بدقسمتی سے مختلف عوامل کے باعث یہ اہم پہلو مترجمین اور مفسرین کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے اور قرآن فہمی کی کوئی نئی راہ واضح نہیں ہوتی اور قارئین کی نظر میں قرآن مجید کی حیثیت محض ایک مقدس تاریخی صحیفے کے طور پر رہتی ہے جس کی تلاوتؐ باعث ثواب ہے جب کہ قارئین کو یہ پیغام ملنا چاہئے کہ قرآن مجید ان کی رہنمائی اور ہدایت کا نسخہ اکسیر ہے اور اس کے جاودانی اور ابدی پیغام اور آفاقی ہدایت کی روشنی میں وہ اپنی روزمرہ کی زندگی بسر کریں کہ یہی ان کی دونوں جہاں میں کامیابی اور نجات کی ضامن ہے۔

اس ترجمے میں بعض مقامات پر متروک اور گنجلک انگریزی الفاظ کا استعمال نامناسب ہے۔ اسی طرح پیغمبر خدا کے لئے Apostle کا استعمال مترجم کی بے احتیاطی کی چغلی کھاتا ہے کہ بائیبل میں مستعمل لفظ Apostle رسول یا نبی کے مترادف ہے ہی نہیں۔ بائیبل کی یہ اصطلاح عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں کے لئے مختص ہے۔ بعض قرآنی آیات کے بارے میں ان کی آراء بھی محل نظر ہیں مثلاً یہ کہ سورہ الفجر کی ابتدائی آیات کا موضوع ماہ محرم ہے یا یہ کہ سورہ یٰسین آیات ۲۰-۲۷، حبیب النجار یا سورہ الاسراء کی آیت ۶۰، سورہ النور آیت ۴۰، سورہ الشعراء آیات ۲۰۵-۲۰۷، سورہ محمد آیات ۲۲-۲۳، سورہ المرسلات آیت ۱۸، سورہ الشمس آیت ۴ اور سورہ القدر آیات ۱-۵ بنو امیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

بہرکیف شیعہ مسلک کے نمائندے یہ تراجم خاصے چشم کشا ہیں۔

دیگر مسلم تراجم

مذکورہ بالا معروف مسلمان فضلاء کے علاوہ متعدد مسلمان اہل قلم نے قرآن مجید کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ 2000 کے بعد ان کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور کم از کم 25 نئے تراجم منصۂ شہود پر آئے ہیں ان میں اکثریت مغربی ممالک میں مقیم پیشہ ورانہ تعلیم اور ہنر سے لیس ایسے صاحب فکر مخلص اور دردمند حضرات کی ہے جن کی دلی خواہش ہے

کہ آج کے معاملات اور مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے قرآن مجید کے ابدی اور حیات بخش پیغام سے کیا اور کیسے ہدایت حاصل کی جائے۔ ان کے ہاں تقلید کے بجائے اپنے اپنے طور پر قرآن فہمی اور استنباط کی کاوش ملتی ہے۔ ان میں سے بعض اہل قلم کا اصل محرک ان کی اپنے مسلک سے غیر متزلزل وفاداری ہے۔ بعض کے ہاں تفسیر بالرائے اپنی قبیح ترین شکل میں جلوہ گر ہے۔ بہر کیف ذیل کے تراجم میں قدر مشترک ان کا نسبۃً غیر معروف ہونا ہے۔ ان کا تذکرہ محض اس لئے شامل ہے کہ انگریزی تراجم کا یہ جائزہ تاریخی اعتبار سے نامکمل اور یک رخی نہ رہے۔ یہ تذکرہ بھی تاریخی ترتیب کے مطابق ہے۔

1963 میں دو غیر معروف پاکستانی فضلاء عبدالرحمٰن طارق اور ضیاء الدین احمد گیلانی نے قسط وار اپنے انگریزی ترجمے کی اشاعت کا آغاز کیا اور 1966 میں یہ مکمل ترجمہ مع مختصر حواشی لاہور، پاکستان سے شائع ہوا۔ مترجمین نے اپنے اغراض اور مقاصد اور منہج کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کے مختصر تفسیری حواشی سے بھی ان کے کسی مخصوص مسلک یا رجحان کا سراغ نہیں ملتا۔ یہ حواشی قرآن مجید کی سرسری اور روایتی توضیح پر مشتمل ہیں۔ ان حضرات کو انگریزی زبان سے نسبت غالباً برائے نام تھی جس کا اندازہ اس تصنیف میں مستعمل غیر تسلی بخش اور غیر فصیح انگریزی سے ہوتا ہے۔ اس ترجمے کا صرف ایک ایڈیشن شائع ہوا اور اس کا حوالہ بالعموم انگریزی تراجم کی کتابیات اور فہارس میں نہیں ملتا۔

سید عبداللطیف (م 1975) عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی میں استاد تھے۔ ان کو مولانا ابوالکلام آزاد کے نامکمل ترجمۂ وتفسیر قرآن ترجمان القرآن کے انگریزی ترجمہ کرنے کی 1967 میں سعادت حاصل ہوئی۔ غالباً اسی شغف اور تجربے کی بنیاد پر انھوں نے اپنا انگریزی ترجمۂ قرآن 1969 میں پیش کیا۔ انھوں نے لفظی یا آیت بہ آیت ترجمے کے بجائے مربوط ترجمانی کو ترجیح دی۔ بعض مقامات پر ان کی ذاتی آراء بھی اس ترجمانی میں راہ پا گئی ہیں۔ یہ تصنیف تفسیری حواشی سے عاری ہے لہٰذا ان کے کسی متعین میلان کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔ انگریزی زبان وادب کے ماہر ہونے کے باعث یہ تصنیف معیاری اور بامحاورہ انگریزی سے مزین ہے البتہ یہ ترجمہ قرآن فہمی کی کوئی راہ نہیں فراہم کرتا غالباً اسی باعث یہ غیر معروف رہا۔

ہاشم امیر علی نے اپنا تعارف اولین مسلم مترجم ابوالفضل (م 1956) کے شاگرد کے طور پر کیا ہے۔ یہ استاد اور شاگرد دونوں ہی شہرت اور کسی امتیاز سے محروم رہے۔ البتہ ہاشم امیر علی نے ایک حد تک مستشرقین کی تقلید میں قرآن مجید کی سورتوں کی توفیقی ترتیب اور معروف رکوع کی تقسیم کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر رکوع کا ایک موضوع متعین کیا ہے جو کہ ایک لاطائل سعی ہے کہ بسا اوقات ایک آیت ہی میں ایک سے زائد کلیدی موضوع زیر بحث ہوتے ہیں۔ بین المذہبی اتحاد اور اتفاق فی نفسہٖ محمود ہے لیکن اس باب میں ان کا موقف حدِ اعتدال سے متجاوز ہے کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے ترجمے میں وہ دور کی یہ کوڑی لائے ہیں کہ ''اللہ'' عربوں کا ''الرحمان'' عیسائیوں کا اور ''الرحیم'' یہود کے خدا کا نام ہے۔ انھوں نے متن قرآن کو از سرنو ترتیب دیتے ہوئے اس کو پانچ کتب میں تقسیم کیا ہے اور مکی اور مدنی سورتوں کو بالترتیب زبور اور توریت کے مماثل قرار دیا ہے۔ موصوف کی ان اختراعات کے باعث ان کے ترجمے کی مطلق پذیرائی نہیں ہوئی۔

پیر صلاح الدین پاکستان میں انتظامیہ کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے انھوں نے اردو اور انگریزی دونوں میں ترجمۂ قرآن کیا، ان کا انگریزی ترجمہ زبان و بیان کی اغلاط سے بڑی حد تک پاک ہے۔ ان کے دیباچے میں قرآن مجید، اس کے ادبی اور فنی محاسن اور اس کے پیغام کا مفصل تعارف ملتا ہے جو پامال، عمومی نکات پر مشتمل ہے۔ امور غیب کے باب میں ان کا نقطۂ نظر اہل جمہور کے عقائد سے قدرے مختلف ہے۔ اس تصنیف کا ایک ناقابل توجیہ پہلو اس میں سے متقدمین کی تفاسیر کے کثرت سے اقتباسات ہیں جو کہ بغیر ترجمہ اصل عربی میں درج ہیں۔ عام انگریزی قارئین سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ ان عربی اقتباسات سے استفادہ کر پائیں گے۔ غالباً قارئین کی ذہنی سطح سے اسی عدم مناسبت کے باعث ان کی تصنیف گمنام رہی۔

مصر نژاد رشاد خلیفہ (م 1988)، امام مسجد اریزونا، امریکہ نے وقتی شہرت 1970 کے عشرے میں اپنی ان تصانیف سے حاصل کی جن میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ کمپیوٹر کے اعداد و شمار سے بھی اسلام کی حقانیت ثابت ہوتی ہے چونکہ اس دور میں کمپیوٹر مسلم دنیا میں بالخصوص ایک طلسمی عجوبہ تھا لہٰذا سادہ لوحی اور ناواقفیت کے باعث قارئین ان کے سحر کا شکار

ہو گئے۔ غیر معمولی مقبولیت رشاد خلیفہ کے لئے فتنہ ثابت ہوئی کہ اپنے مفروضہ علم اور شہرت کے زعم میں انھوں نے صریحاً کفریہ اور ارتداد آمیز دعوے پیش کئے اور ان کو اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن میں شامل کیا مثلاً یہ کہ ذخیرۂ احادیث سرتاسر جعلی ہے، سنت کا وجود نہیں، متن قرآن مجید کی صحت کمپیوٹر سے ثابت نہیں، متن قرآن مجید میں الحاقی مواد شامل ہے اور خود اپنے نبی آخر الزماں ہونے تک کا باطل دعویٰ کر بیٹھے۔ مسلمان علماء اور فضلاء نے ان کے دجل وفریب کو بے نقاب کیا اور وہ جلد اپنی سستی شہرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے[٣٨]۔ البتہ امریکہ کا ایک مجہول ناشر ان کے فتنہ پرور ترجمے کی اشاعت ہر کئی سال بعد کرتا ہے۔ غالب گمان ہے کہ یہ کسی اسلام دشمن حلقے کی کاروائی ہے۔

لندن سے 1979 میں شائع مفسر محمد احمد کا ترجمہ اپنے معائب اور اسقام کے باعث بالکل غیر معروف ہے۔ مترجم کے سوانحی حالات مفقود ہیں۔ ترجمے میں اسلامی عقائد مسخ صورت میں ملتے ہیں۔ ہر چند کہ مصنف نے اپنی اس تصنیف کو انگریزی میں اولین تفسیر اور اپنے آپ کو ''مفسّر'' سے ملقب کیا ہے۔ یہ کسی امتیازی خصوصیت سے عاری ہے، زبان و بیان کی اغلاط اس پر مستزاد۔

1970 کے عشرے میں لبنان کی سپریم سنّی اور شیعہ کونسل نے یہ خوش آئند قدم اٹھایا کہ سنّی اور شیعہ علماء اور فضلاء پر مشتمل مترجمین کی ایک مجلس کو انگریزی ترجمے کی ذمہ داری تفویض کی، یہ قدم بین المسلکی اتحاد اور ہم آہنگی کے اعلیٰ اور ارفع مقصد کی تکمیل میں بڑا مفید اور معین ثابت ہوتا۔ البتہ یہ امر باعث افسوس ہے کہ اس مجلس نے محض ترجمہ شائع کیا۔ حواشی سے عاری ہونے کے سبب اتحاد بین المسلمین کے محاذ پر مطلق کوئی پیش قدمی ہوئی نہیں۔ اس سے بھی زیادہ عبرت ناک پہلو اس علمی منصوبے کا یہ ہے کہ یہ ترجمہ تک اس مجلس کا کارنامہ نہیں بلکہ ماقبل کے عراق نژاد یہودی مترجم نسیم جوزف داؤد کے ترجمے کا عین چربہ اور سرقہ ہے۔ بعض مقامات پر بلا شبہہ داؤد کی اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے لیکن یہ اصلاً ہے داؤد ہی کا ترجمہ۔ غرضیکہ نظریاتی اور علمی لحاظ سے یہ ایک مایوس کن ترجمہ ہے اور اس سے وابستہ توقعات پوری نہیں ہوئیں۔

شیخ محمد سرور کا ترجمہ 1982 میں امریکہ سے شائع ہوا، اس میں دیباچہ، حواشی اور فرہنگ کی غیر موجودگی کے باعث مترجم کے فکری رجحان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ترجمے کا معیار بھی انگریزی محاورۂ بیان کے لحاظ سے پست ہے۔ محض ترجمے سے قارئین کی ذہنی رہنمائی مطلق نہیں ہوتی اس اعتبار سے یہ ایک مایوس کن تصنیف ہے کہ اس سے قرآن فہمی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

مصر نژاد محمد خطیب کا انگریزی ترجمہ 1986 میں موقر مغربی ناشر میکملن نے زیور طبع سے آراستہ کیا۔ قرآنی سورتوں کا تعارف اور پس منظر، مستند تفاسیر سے ماخوذ تشریحی حواشی اور قرآنی اصطلاحات اور تلمیحات کا مختصر تعارف کے باعث یہ تصنیف بڑی حد تک وقیع اور مفید ہے گو بحیثیت مجموعی یہ کوئی غیر معمولی امتیاز کی حامل نہیں ہے بلکہ بعض مقامات پر ترجمے میں اغلاط بھی در آئی ہیں۔ یہ ترجمہ قبولیت عام نہیں حاصل کرسکا۔

ماریشس کے عالم حسین نہابو (1920-2000) نے تین زبانوں یعنی فرانسیسی، انگریزی اور پھر ماریشس کی مقامی Creole زبان میں قرآن مجید کے تراجم پیش کر کے ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ ان کا انگریزی ترجمہ 1987 میں منظر عام پر آیا، نہابو دار الافتاء، سعودی عرب سے منسلک تھے اور مقامی دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے انھوں نے یہ مقدس فریضہ انجام دیا۔ البتہ قرآن مجید کی تعلیمات کی تشریح اور توضیح کے بجائے انھوں نے صرف اس پر اکتفا کیا ہے کہ چند موضوعات کی نشاندہی بقید آیاتِ قرآنی کردی ہے اس سے قارئین کی تشنگی باقی رہتی ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ بڑی حد تک اپنے پیش رو عبداللہ یوسف علی کے ترجمے سے مستعار ہے۔ کلام اللہ کی خدمت کے ضمن میں ایسی علمی خیانت مزید قبیح ہے۔ ان کے حواشی کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے ناکافی ہیں البتہ ان میں کوئی فکری کجی نہیں پائی جاتی ہے جو کہ ایک مستحسن پہلو ہے۔ ان کا یہ ترجمہ اوسط قاری کی بنیادی رہنمائی کے لئے کارآمد ہے۔ اس کا دائرہ اثر ماریشس ہی تک محدود رہا اور انگریزی علمی حلقے اور قارئین اس سے لاعلم رہے۔

ماریشس نژاد ایک اور عالم کیو عرفات کا ترجمہ 1991 میں انگلستان سے شائع ہوا۔

عرفات کے ذہن پر تازہ ترین سائنسی ایجادات، حقائق اور نظریات ایسے مستولی ہیں کہ ان کی رائے میں قرآن مجید کی گویا ہر آیت میں سائنسی انکشاف اور اکتشاف مذکور ہیں۔ ان کی دانست میں سائنسی حقائق کا یہ بیان ہی قرآن مجید کی حقانیت کا ثبوت ہے۔ علم الحیات، شماریات، ہندسہ، فلکیات، زراعت غرض یہ کہ سائنس کے ہر شعبے کی گوناگوں تفصیلات سے ان کے تفسیری حواشی پر ہیں۔ ذاتی آراء بھی کثرت سے در آئی ہیں، مثلاً جمہوریت کو عین مطلوب قرآنی قرار دینا۔ موصوف کا جذبۂ دعوت اور تبلیغ یقیناً قابل داد ہے لیکن وہ جادۂ اعتدال سے منحرف نظر آتے ہیں اور سائنس کی تبلیغ اور تلقین کو قرآن مجید کا مقصود متصور کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ قارئین اور علمی حلقوں کی توجہ منعطف کرنے میں ناکام رہا ہے۔

خدمت قرآن مجید کا داعیہ بلاشبہہ قابل رشک ہے البتہ احمد زیدان اور ان کی اہلیہ دینا زیدان کی مشترکہ اور "مبینہ" تصنیف میں اس کا ایک قابل نفریں پہلو نظر آتا ہے۔ ان مبینہ مترجمین نے ایمان، ضمیر اور اخلاق کو طاق پر رکھتے ہوئے عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمے کا اپنے نام سے پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ حسین نہابو کی مانند ان کے ہاں بھی سائنس سے اشتغال اور مرعوبیت کا رجحان ہے۔ یہ منہج قرآن مجید کے آفاقی اور ابدی پیغام عام کرنے کے بجائے اسے صرف ایک محدود، مخصوص تناظر میں پیش کرنے کے مرادف ہے۔ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمے کی افسوس ناک نقالی کے باعث اسے کوئی مقام حاصل نہیں ہوا۔ چونکہ اس میں تفسیری حواشی شامل نہیں ہیں لہٰذا مصنف کے فکری میلانات کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔

1993 میں پونا، ہندوستان سے طبع یہ ترجمہ ہندوستانی فوج میں ملازم، مویشیوں کے معالج کوئی ای۔ اے۔ کے۔ پٹھان کے کج ذہن کی تخلیق ہے۔ اپنے دیباچے میں موصوف نے تمام مسلمان اہل قلم کے تراجم کو انتہا پسندی کا مظہر قرار دیتے ہوئے یکسر مسترد کردیا ہے۔ اپنے مبلغ علم کے بارے میں خود ہی یہ اطلاع دی ہے کہ ان کا مطالعۂ قرآن مجید صرف چند علاقائی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کا مرہونِ منت ہے۔ اس ضمن میں ذکر نہ عربی زبان میں مہارت کا ہے نہ علم تفسیر کی شناوری کا۔ اس کے باوصف ان کی لن ترانی یہ ہے کہ آج تک قرآن مجید کا کوئی صحیح ترجمہ ہوا ہی نہیں ہے اس پر مستزاد یہ تکلیف دہ بیانات کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد

صحابہ کرام اقتدار کی جنگ میں ایسا منہمک ہوئے کہ اصل اسلام ضائع ہوگیا اور پھر بعد میں محدثین اور فقہاء نے اپنی اپنی رائے کے مطابق اسلام اور اس کے عقائد اور احکام وضع کیے۔ تعدد ازدواج، خاندانی منصوبہ بندی، شفاعت کے تصور کے بارے میں ان کی آراء اہل جمہور سے متصادم اور گمراہ کن ہیں۔ ترجمے کی زبان پست اور اغلاط سے پُر ہے۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ قرآن مجید کی خدمت کی آڑ میں ایسی قبیح نفسانیت کا مظاہرہ کیا جائے۔ ماجد فخری کی شہرت بطور ماہر اسلامیات ہے بالخصوص فلسفہ اور اخلاقیات ان کے مطالعہ کا خصوصی میدان ہیں البتہ ان کا 1993 میں شائع انگریزی ترجمہ مایوس کن ہے اور ان کی جلالت علمی کے شایان شان نہیں۔ مثلاً رسول کے لئے بائبل کی اصطلاح Apostle کا استعمال جو حواری کے ہم معنی ہے یا کعبہ کے لئے Shrine کا لفظ جو مشرکانہ رسوم و رواج کے لئے مختص ہے۔ متعدد آیات کا ترجمہ جزوی طور پر ان سے ساقط ہوگیا ہے۔ یہ اضافہ غالباً غیر ضروری ہے کہ اس بے احتیاطی سے کلام اللہ کی من و عن ترجمانی کا فریضہ ادا نہیں ہوتا بلکہ یہ قارئین کے ذہنی انتشار اور گمراہی کا باعث ہوتا ہے۔ فخری نے قرآنی سورتوں، اصطلاحات، تلمیحات کا پس منظر بیان کرنے یا ان کا تعارف کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے جو کہ ایک سنگین خلا ہے۔ عربی اور اسلام سے نابلد انگریزی قارئین کے لئے اس انداز کی رہنمائی از حد ضروری ہے۔ حروف مقطعات کے بارے میں یہ غلط بیانی ملتی ہے کہ زیادہ تر قرآنی سورتوں کی ابتداء اور اختتام حروف مقطعات پر ہوتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کل 114 سورتوں میں سے صرف 29 سورتوں کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوتی ہے جبکہ یہ ایک بھی سورہ کے آخر میں درج نہیں ہیں۔ ابراہیمؑ کے قصے کے ذیل میں ذبیح اسحاقؑ کو قرار دیا ہے، یہ عقیدہ یہود کا ہے۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ذبیح اسماعیلؑ ہیں۔ ہر چند کہ فخری نے دعویٰ آسان، بامحاورہ زبان میں ترجمہ پیش کرنے کا کیا ہے۔ درحقیقت زبان و بیان کے لحاظ سے بھی یہ تصنیف ناقص ہے کہ اس میں جابجا متروک، ثقیل، غیر مانوس الفاظ ملتے ہیں جو آج کے قارئین کے لئے چیستاں سے کم نہیں، الغرض یہ ترجمہ کارآمد مطلق نہیں۔

1997 میں ٹیکسس، امریکہ سے محمد فاروق اعظم ملک کا ترجمہ شائع ہوا۔ پاکستان نژاد یہ مترجم اپنی اعلیٰ پیشہ ورانہ تعلیم کی تکمیل کے بعد امریکہ میں مقیم ہوگئے اور وہاں ترویج قرآن مجید

کے لئے کوشاں رہے۔ ہر چند کہ اس ترجمے میں تفسیری حواشی شامل نہیں ہے۔ مترجم نے اسلام، قرآن مجید اور آپ ؐ کا خاطر خواہ تعارف تصنیف کے ابتدائی صفحات میں کر دیا ہے۔ سی طرح قرآن مجید میں مذکور متعین شخصیات کے بارے میں اپنے ضمیموں میں توضیح اور تشریح کر دی ہے۔ فہرست مندرجات اور ہر سورہ کی ابتداء میں بھی قرآنی پیغام کو نمایاں کیا ہے۔ غرض یہ کہ قارئین کی بڑی حد تک رہنمائی ہو جاتی ہے۔ یہ سارا تذکرہ البتہ تاریخی طور پر معروف نکات پر مشتمل ہے۔ تفسیری حواشی کی غیر موجودگی کے باعث موصوف نے آج کے معاملات اور مسائل سے تعرض نہیں کیا۔ امریکہ میں مقیم، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دعوت میں فعال، دردمند صاحب قلم سے توقع اس سے کہیں زیادہ تھی کہ وہ دور حاضر کے فتنوں، نظریات اور طرز فکر کا تجزیہ اسلامی نقطۂ نظر سے کرتے اور قارئین کے لئے ذہنی غذا فراہم کرتے لیکن مترجم قرآن مجید کے روایتی، مختصر تذکرے کے حصار میں محدود رہے اور یہی اس تصنیف کی بڑی خامی ہے۔

مفتی محمد شفیع کی شہرت برصغیر کے سربرآوردہ دیوبندی، حنفی عالم دین کے طور ہے۔ ان کو اپنے مرشد مولانا اشرف علی تھانوی سے خصوصی اور قلبی تعلق تھا۔ ان کی مشہور تفسیر معارف القرآن مولانا تھانوی کی فکر کی مزید توضیح اور تشریح پر مشتمل ہے۔ اپنے حلقے میں معارف القرآن بہت مقبول ہے کہ یہ قرآن مجید کے پیغام کو روایتی انداز میں اور تفسیر بالماثور کے اصولوں اور ضوابط کے مطابق قارئین کے سامنے پیش کرنے میں بہت کامیاب ہے۔ قرآنی احکام اور مسائل کی تعبیر اور تشریح اس تصنیف کا ایک اور امتیازی پہلو ہے اس باب میں بھی موصوف نے تتبع کلی طور پر اپنے شیخ مولانا تھانوی کا کیا ہے۔ اس حلقے سے منسلک اور متاثر حضرات کے اصرار پر 2000 میں معارف القرآن کا مکمل انگریزی ترجمہ منظر عام پر آیا اور اس حلقے کی دینی ضروریات کو کماحقہٗ پورا کرتا ہے، البتہ اس کی افادیت خاصی محدود ہے۔ اولاً یہ ٹھیٹھ روایتی تفسیر ہے گو بعض مقامات پر عصری مسائل کے اسلامی حل کی خوشگوار سعی ملتی ہے عام قارئین کے لئے یہ باعث کشش نہیں۔ 2000 میں ترکی کے جامعات کے اساتذہ پر مشتمل مجلس ترجمہ کی جانب سے بظاہر ایک نیا ترجمہ شائع ہوا لیکن درحقیقت یہ 1992 میں علی اوزک اور دیگر ترک اساتذہ کے ترجمے کا چربہ ہے۔ غالباً اشاعتی مصالح کے باعث وہی قدیم تصنیف نئے عنوان اور نئے مترجمین

کے نام سے شائع ہوئی ہے چونکہ یہ بجنسہ ماقبل کے ترجمے کی نقل ہے اس میں وہ خامیاں موجود ہیں جو اصل میں ہیں، مثلاً معروف انگریزی مترجمین عبداللہ یوسف علی اور محمد مارماڈیوک پکتھال کے انگریزی تراجم سے مستعار مواد، نامکمل اور سرسری موضوعاتی اشاریہ اور بعض مقامات پر ترجمے میں درآئی اغلاط۔ یہ تصنیف/ترجمہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ 1992 میں شائع ترجمے سے مستعار ہے اور وہ ترجمہ بھی اپنے پیش رو مترجمین کا بعینہ عکس ہے، غرضیکہ یہ نقل در نقل کا باب کسی عجوبے سے کم نہیں۔

مصر نژاد ایم.اے.ایس.عبدالحلیم عرصے سے برطانوی جامعہ اسکول آف اورینٹل کے شعبۂ اسلامیات سے وابستہ ہیں معروف مغربی ناشر آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے انھیں ایک نئے انگریزی ترجمے کی ذمہ داری تفویض کر کے انھیں ایک نادر موقع فراہم کیا کہ غیر مسلم قارئین کے لئے پیغام قرآنی کی ترسیل اس طباعتی ادارے کے توسط سے بآسانی ممکن ہے ورنہ بالعموم مسلمان ناشرین کی کتب کی اطلاع غیر مسلم قارئین کو نہیں ہوتی اور قارئین بھی ان نامانوس اداروں کی مطبوعات کی جانب راغب نہیں ہوتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ قرآن مجید کے افہام وتفہیم کا فریضہ بڑی حد تک عبدالحلیم کے ترجمے سے ادا نہیں ہوا ہے اور یہ نادر، تاریخی موقع تقریباً ضائع ہوگیا ہے۔ اولاً تفسیری حواشی اس تصنیف میں برائے نام ہیں، اس پر مستزاد ان کے حواشی کے مندرجات آج کے غیر عربی داں/غیر مسلم قارئین کے لئے بڑی حد تک بے معنیٰ اور بے کار ہیں مثلاً سورہ الفاتحہ کے حواشی میں ذکر نہ قرآن مجید کے آفاقی پیغام کا ہے، نہ توضیح اس کے معنی اور مطلب کی اور نہ کوئی تذکرہ دعا، اللہ اور بندے کے مابین تعلق کا اور نہ اس سورہ کی کُل مصحف سے مناسبت کا۔ ان کی توجہ صرف ''الرحمٰن، الرحیم اور رب'' کے صرفی اور نحوی پہلوؤں اور مشتقات پر مرکوز رہی ہے، یہ علمی بحث غیر مسلم اہل مغرب کے لئے حکمت اور دعوت دونوں لحاظ سے بے سود۔ بعض حواشی میں فکری تسامحات اور تجدد زدگی کا رنگ ہے۔ صنفی امور کے بارے میں وارد قرآنی ارشادات کے ذیل میں یہ تکلیف دہ بیان ہے کہ یہ احکام بالکل مختلف معاشرتی ضمن میں نازل ہوئے تھے اب صورتحال تبدیل ہوچکی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ صریحاً تعریض ہے، ان کے فرسودہ اور کہنہ ہونے پر۔ قرآنی اصطلاحات اور تلمیحات کا تعارف کرنے کی بھی کوئی کوشش نہیں

ملتی۔ زکوٰۃ کو محض ٹیکس کہا ہے اور بعض معجزات کی تاویل بھی ملتی ہے۔ اپنے دیباچے میں موصوف نے اسلام اور قرآن مجید کا جامع تعارف کیا ہے لیکن غیر مسلم قارئین کی ذہنی سطح اور توقعات کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے کے باعث یہ ترجمہ ممتاز تراجم میں شامل ہونے کے لائق نہیں۔ مغرب میں اپنے طویل قیام کے باوصف موصوف نے آج کے مسائل مثلاً تشدد، انتہا پسندی، ماحولیات، منشیات اور تکثیری معاشرے میں غیر مسلموں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے متعلق قرآنی ہدایات سے کوئی سروکار نہیں رکھا ہے۔ مختصراً یہ تصنیف قرآن فہمی کا حق کماحقہٗ نہیں ادا کرتی۔

2005 میں امریکہ سے شائع سید وقار احمد کا یہ ترجمہ خیانت اور سرقے کی ایک اور شرمناک مثال ہے۔ یہ تصنیف مصنف کے دیباچے، سوانحی کوائف اور تفسیری حواشی سے عاری ہے لہٰذا مصنف کے علمی اور ذہنی پس منظر اور فکری رجحانات کا کچھ حال نہیں کھلتا۔ پیش لفظ مشہور عام مقرر ذاکر نائیک کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اس میں جابجا دعوی انتہائی اصرار کے ساتھ یہ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید سائنسی حقائق سے پُر ہے مزید برآں قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ وہ سوامی رجنیش کو بھگوان تسلیم نہ کریں۔ ترجمۂ قرآن مجید میں اس کا کیا محل ہے؟ ترجمہ تقریباً کلی طور پر عبداللہ یوسف علی کے ترجمے (شائع 1937) سے ماخوذ ہے۔ 70 سال قبل کی کسی تصنیف کو آج اپنے نام سے پیش کرنا کسی لحاظ سے علمی خدمت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ستم بالائے ستم، اس ترجمے کو جامعہ الازہر کے شعبۂ ترجمہ نے مستند ہونے کی سند بھی عنایت کی ہے۔ قرآن مجید کے باب میں یہ سہل انگاری اور غیر ذمہ داری اور زیادہ شنیع فعل ہے۔

مصر نژاد محمد محمود غالی کا 2008 میں طبع انگریزی ترجمہ اس لحاظ سے ایک نیک فال ہے کہ موصوف جامعہ ازہر، قاہرہ کے شعبۂ السنہ اور ترجمہ میں استاد ہیں کہ بیسویں صدی کے اوائل تک جامعہ ازہر کے علماء ترجمۂ قرآن مجید کے شدید مخالف تھے۔ وہ غیر مسلموں اور غیر عربی داں قارئین کے لئے دعوتی نقطۂ نظر سے بھی کسی زبان میں قرآن مجید کی ترجمانی کے قائل نہیں تھے ان کو یہ خدشہ بھی تھا کہ ترجمے کی آڑ میں ضال اور مضل افراد اور گروہ قرآن مجید کے پیغام کے انتہائی مسخ کے مرتکب ہوں گے۔ ان کا یہ خدشہ ایک حد تک بجا ہے کہ ترجمے کے نام پر ہر طرح کے فتنے کھڑے کئے گئے ہیں۔ زیر نظر تنقیدی جائزے میں اس قماش کے بعض تراجم کا علمی اور فکری

تعاقب کیا گیا ہے البتہ ترجمے کی افادیت اور اہمیت سے انکار ممکن نہیں کہ اس کے بغیر دعوت اور تبلیغ کا اہم فریضہ گویا ساقط ہوجائے گا وسیع تر مفاد اور مصالح کے پیش نظر دیگر علماء نے ترجمۂ قرآن مجید کی مشروط اجازت دی۔ اس باب میں اب تازہ اضافہ بلکہ خوشگوار تبدیلی یہ ہے کہ خود جامعہ ازہر کے ایک استاد نے ترجمے کا فریضہ انجام دیا۔ شعبۂ ترجمہ سے وابستگی کے باوصف ان مترجم نے اس فرض کو محض ضابطے کی خانہ پُری کے طور پر ادا کیا ہے۔ موصوف کی انگریزی زبان پر عدم قدرت کے باعث یہ تصنیف تقریباً بے مصرف ہے کہ زبان و بیان کی ایسی سنگین شدید اور متواتر اغلاط ہیں کہ انگریزی داں قارئین کے لئے اس کا مطالعہ انتہائی صبر آزما اور اعصاب شکن ہوگا۔ یہ امر بھی کم تعجب خیز نہیں کہ مترجم نے قرآن مجید کے خصائص، محاسن، پیغام اور مندرجات کا تعارف پیش کرنا تک بھی ضروری یا مناسب نہیں خیال کیا۔ تفسیری حواشی برائے نام ہیں اور وہ قارئین کے ذہن کو جلا نہیں بخشتے۔ قرآنی اصطلاحات، امثال، تلمیحات، قصص، اعلام حتی کہ قرآنی تصور حیات کو واضح نہیں کیا گیا ہے۔ ہر چند کہ اس ترجمے کی مذکورہ بالا علامتی اہمیت ہے کہ اس کا تعلق جامعہ ازہر سے ہے لیکن بحیثیت ترجمہ یہ ایک ناکام سعی ہے۔

ہندوستان نژاد عالم وحید الدین خاں کی اردو تفسیر تذکیر القرآن 1985 میں منظر عام پر آئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ 2011 میں شائع ہوا۔ ہر چند کہ انگریزی یہ ترجمہ مصنف کی صاحبزادی کے قلم سے ہے اور مصنف ہی کے اشاعتی ادارے سے طبع ہوا ہے۔ یہ اصل اردو سے بعض مقامات پر ناقابل توجیہہ طور پر مختلف ہے مثلاً تذکیر القرآن کے مقدمہ میں خاں نے اسلام، قرآن مجید اور اسلامی نقطۂ نظریۂ حیات کو مدلل اور دلنشین انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس انگریزی ترجمے کا دیباچہ مختصر بھی ہے اور فکری کجی سے داغدار بھی۔ سائنس سے مرعوبیت کے زیر اثر یہ عجیب وغریب دعویٰ کیا ہے کہ آج سائنسی دور اور تحقیقات کی روشنی میں انسان کے کلام الٰہی کے مخاطب ہونے کا نکتہ حقیقت بن گیا ہے۔ مصنف کے قرآن فہمی کے باب میں تفردات اور تسامحات متعدد ہیں مثلاً یہ کہ انبیاء کرام کو جہانبانی، قوت اور اقتدار سے متعلق مَس نہ تھا اور طرّہ یہ کہ اس ضمن میں مثال موسیٰ کی پیش کی ہے۔ بعض تحریکی حلقوں میں سیاسی اقتدار سے فرط تعلق کے خلاف ردّعمل قابل فہم ہے لیکن اس کے لئے متنِ قرآن مجید کو تختۂ مشق بنانا

نامناسب ہے۔ آج اسلام کے نام پر بپا تشدد کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے درحقیقت اس خباثت نفس کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں، اسلامی شعائر کی توہین اور بدنامی اسلام کے کسی بدترین دشمن نے اس حد تک نہ کی ہوگی جوان چند بے راہ رو اشخاص کے سیاہ کرتوتوں کے باعث اسلام کے حساب میں حالیہ دور میں درج ہوئی ہے۔ اس منظرنامے کے باوصف جہاد، ریاست، حکومت جیسے تصورات سے اعلانِ براءت وحید الدین خاں کا تفرد ہے اور ستم یہ کہ اسے وہ قرآن مجید سے ثابت کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ نسلی اور حقیقی مسلمانوں کے مابین تفریق سے متعلق ان کی رائے بھی محل نظر ہے جو نص سے ثابت نہیں۔ اس انگریزی ترجمے کا ایک مزید تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ بعض مقامات پر یہ اصل اردو تصنیف سے معنوی طور پر بالکل مختلف ہے۔ اردو تفسیر میں تاریخی تناظر میں قرآن مجید کے ارشادات کی روشنی میں یہود کی بدعہدی اور شرپسندی کا قدرۃً ذکر ہے البتہ انگریزی ترجمے میں تفسیری حواشی اس تاریخی حقیقت کو بڑی حد تک حذف کر دیا گیا ہے۔ تفسیری حواشی میں احادیث سے بطور ماخذ اعتنا برائے نام ہے، گو یہ تفسیر بڑی حد تک تفسیر بالماثور کی نمائندہ ہے۔ اس ترجمے میں آیت بہ آیت ترجمے کے بجائے رواں، آزاد ترجمانی کا انداز اختیار کیا گیا ہے جو کہ قارئین کے لئے از حد مفید ہے۔ مصنف کو اسلامی مآخذ پر ید طولیٰ حاصل ہے جس کا مظہر یہ تصنیف ہے البتہ ان کے متنازعہ بیانات اور اہل جمہور سے ایک حد تک مختلف موقف کے باعث ان کا یہ ترجمہ وسیع پیمانے پر مسلمان قارئین کو قابل قبول نہیں۔

2010 میں پاکستان نژاد محمد شریف چودھری کا انگریزی ترجمہ لاہور سے طبع ہوا۔ قرآن فہمی کی ترویج کے مقصد سے مصنف کے قلبی تعلق کا اندازہ اس تصنیف سے ہوتا ہے کہ ممدوح نے سورتوں کے موضوعات بقید رکوع متعین کئے ہیں اور انتہائی جامع اشاریے کے توسط بھی قارئین کی رہنمائی ہے کہ مختلف موضوعات، مسائل اور معاملات کے بارے میں وہ قرآن مجید سے رجوع کریں۔ اس نیک نیتی کے باوصف اس ترجمے کے دوعیوب ناقابل عفو ہیں۔ اولاً یہ انگریزی ترجمہ پیش رو محمد مارما ڈیوک پکتھال کے ترجمے سے بڑی حد تک نقل ہے اس سرقے کا کوئی جواز ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ مصنف کو انگریزی زبان سے علاقہ نہیں لہٰذا اس تصنیف کا مطالعہ ہمت شکن بھی ہے اور غیر نفع بخش بھی۔

2011 میں فلسطین نژاد اسد نمیر بسول کا ترجمہ شائع ہوا، ہر چند کہ سرورق پر یہ دعویٰ ہے کہ یہ تصنیف 20 مستند تفاسیر پر مبنی ہے لیکن اس کے مندرجات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ صرف تین مفسرین کا صرف ایک ایک مرتبہ حوالہ دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ تصنیف بالرائے کی نمائندہ ہے۔ اس کا دوسرا عیب اسرائیلیات پر مصنف کا غیر ضروری انحصار ہے۔ عیسیٰؑ کے عہد طفولیت میں گہوارے میں کلام کے بارے میں وارد صریح قرآنی آیت پر یہ تبصرہ ہے کہ مذکورہ بیان صرف عیسیٰؑ کا دعویٰ ہے جس کی تائید اللہ نے نہیں کی۔ جابجا جدید سائنسی حقائق کو متنِ قرآنی سے برآمد کرنے کی بھی لاطائل سعی ملتی ہے۔ متن کے ترجمے میں بعض فاش غلطیاں ہیں۔ مصنف کی تجدد زدگی سورہ النساء آیت 34 پر مفصل بحث میں نمایاں ہے جس میں انھوں نے شد و مد کے ساتھ یہ نکتہ پیش کیا ہے کہ "فاضربوھن" سے مراد نافرمان بیوی کی سرزنش کرنا نہیں بلکہ اس سے وظیفۂ زوجیت ادا کرنا ہے۔ ایک دوسرا ضمیمہ قرآن مجید کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کے بارے میں ہے۔ عہد عباسی کو اس بے معنی قضیے کو موضوع بحث بنانے سے قرآن مجید کی آخر کیا خدمت ہو سکتی ہے؟ مصنف عرصے تک امریکہ میں درسِ قرآن مجید کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ انھوں نے اپنی صلاحیتوں اور وسائل کا خاطر خواہ اور سودمند استعمال نہیں کیا۔

لبنان نژاد طلال اطانی کا ترجمہ 2012 میں منظر عام پر آیا ہے۔ موصوف بہ اعتبار پیشہ کمپیوٹر انجینیر ہیں۔ اسلامیات یا قرآنیات میں ان کے تخصص کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان کی تصنیف محض انگریزی ترجمے پر مشتمل ہے حتیٰ کہ دیباچہ تک شامل نہیں، تفسیری حواشی، ضمیموں یا فرہنگ کا کیا مذکور۔ پس منظر، تعارف اور تشریح اور توضیح کے بغیر اسلام سے ناواقف انگریزی داں قارئین سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ ایسی تصنیف سے استفادہ کر پائیں گے۔ بعض آیات کے ترجمے میں بھی ان کو شدید تسامح ہوا ہے۔ حواشی کی عدم موجودگی میں اطانی کی فکری ترجیحات یا نقطۂ نظر کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا اس سے اہم تر نکتہ یہ ہے کہ حواشی کے بغیر یہ تصنیف قارئین کی رہنمائی سے قاصر ہے[۳۹]۔

مذکورہ بالا جائزے سے یہ واضح ہے کہ مسلمان اہل قلم کے انگریزی تراجم کی تعداد میں

1980 کے بعد سے اب تک نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ البتہ بیشتر تراجم کا معیار زبان و بیان اور مندرجات کے لحاظ سے ناقص ہے۔

مطلوبہ معیاری انگریزی ترجمہ: تقاضے اور خصائص

مندرجہ بالا جائزے سے یہ واضح ہے کہ زیادہ تر انگریزی تراجم غیر معیاری ہیں۔ مستشرقین اور قادیانی مترجمین کا کیا مذکور، مسلمان مترجمین کی تصانیف بھی فکری تسامحات، مسلکی عصبیت، تجدد زدگی، قارئین کی ذہنی سطح سے اعراض، انگریزی زبان و بیان پر قادر نہ ہونا، عصری مسائل سے گریز، فقہی موشگافیوں سے غیر ضروری حد تک دلچسپی، عربی صرف ونحو کی نزاکتوں پر مفصل بحث، قارئین کی فکری رہنمائی سے اجتناب، سائنس اور تاریخ اور جغرافیہ سے نامناسب حد تک اشتغال وغیرہ جیسے اسقام اور معائب سے خالی نہیں۔ اس تنقیدی جائزے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک معیاری انگریزی ترجمہ اب بھی درکار ہے۔ اس ترجمے میں مندرجہ ذیل خصوصیات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھنا عین مناسب ہوگا۔

۱۔ ترجمۂ قرآن مطلق لفظی نہ ہو کہ اس سے مفہوم کی ترسیل میں رکاوٹ ہوتی ہے اور نامانوس، اجنبی دروبست اور ساخت کے جملوں سے قارئین کو غیر ضروری الجھن اور دشواری پیش آتی ہے۔ اسی طرح ترجمے میں بے قید آزادی یا دیدہ دلیری کے ساتھ ذاتی آراء کے بے محابا اظہار کی بھی گنجائش نہیں۔ ترجمہ حتی الامکان اصل متن کے مطابق ہوتا کہ کلام اللہ میں کسی آمیزش کا شائبہ بھی نہ ہو۔ ترجمے کی عبارات میں روانی اور تسلسل کے لئے قوسین میں وضاحتی اضافے یقیناً جائز ہیں لیکن اس کی آڑ میں متن سے غیر متعلق اور ذاتی آراء کو متن کے ترجمے کے طور پر پیش کرنا تحریف کے مرادف ہے جو کسی مسلمان کے لئے ناقابل قبول تصور، گناہ اور جرم ہے۔ غرضیکہ ترجمے میں متن سے مطابقت اور اس کے مفہوم کی پابندی از حد ضروری ہے۔

۲۔ ہر سورہ کے ترجمے سے قبل اس کے موضوعات اور اس کے نزول کے تاریخی پس منظر کا مختصر تعارف، اس سے مقصود اسباق اور احکام کی تذکیر ترجمۂ قرآن کی بہتر تفہیم کے

لئے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ سورہ میں مذکور تاریخی اشخاص، مقامات، واقعات اور تلمیحات کے بارے میں مختصر تفسیری حواشی کا اہتمام ہو۔ البتہ اس باب میں طوالت سے اجتناب بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کا اصل مقصود انذار اور تبشیر اور ہدایت ہے۔ تاریخ، جغرافیہ اور اس کے متعلقات اس کا موضوع نہیں ہیں۔ سورہ اور آیات کی وضاحت کا محور سیرۃ طیبہ ہو تا کہ حیات مبارک، صحابۂ کرام اور ابتدائی تاریخ اسلام کے زرّیں نقوش قارئین کے دل و دماغ پر ثبت ہوں۔ اسبابِ نزول کے بارے میں بھی اعتدال اور توازن درکار ہے۔ اس پر بیجا اصرار قرآن مجید کے آفاقی پیغام کو اس کے نزول کے وقت کے حالات کے تابع اور محدود کرنے کے مرادف ہے۔ مثلاً بعض مسلمان مترجمین کے ہاں سورتوں کے مکّی اور مدنی ہونے اور ہر سورہ میں آیات کے بھی مکّی اور مدنی ہونے پر غیر ضروری تفصیل کے ساتھ تذکرہ ہوتا ہے۔ مکّی اور مدنی سورتیں ایک تاریخی حقیقت ہیں لیکن اس پر بے جا اصرار قرآن مجید کے ابدی پیغام کو محدود اور مقامی کرنے کے مرادف ہے۔ اصل توجہ سورہ کے پیغام ہدایت اور تذکیر اور تبشیر پر ہونا چاہئے تا کہ قارئین کی ذہنی تربیت ہو۔ جمع اور تدوین مصحف کے متخصص طلباء متقدمین کی تفاسیر سے مکّی اور مدنی سورتوں کے بارے میں حسب خواہ استفادہ کر سکتے ہیں۔ عام قارئین کے لئے پیش انگریزی ترجمے اور تفسیری حواشی میں ان تاریخی امور سے گریز کرنا چاہئے۔

۳۔ قرآن مجید میں مستعمل اصطلاحات اور بنیادی تصورات کی وضاحت فرہنگ میں بطور ضمیمہ ہو تا کہ ترجمے کے مطالعے سے قبل، مطالعے کے دوران اور بعد میں اس سے رجوع کیا جائے۔ اس ضمن میں بھی اختصار مستحسن ہے کہ غیر ضروری تفصیلات سے قارئین میں انتشار ذہنی ہوتا ہے۔ ان موضوعات کے سیر حاصل مطالعے کے لئے مستند اور معیاری کتب اور تفاسیر کا حوالہ دیا جائے تا کہ تفصیلات کے شائق قارئین حسب ضرورت ان سے استفادہ کریں۔

۴۔ قرآن مجید میں مذکور احکام کی تشریح اور توضیح تفسیری حواشی کا یقیناً جزو ہونا چاہئے، البتہ اس بارے میں فقہی اختلافات اور احکام کی تمام ممکنہ صورتوں کی تفصیل سے گریز بہتر

ہے۔ کسی ایک فقہی مسلک پر اصرار قارئین میں اختلاف اور افتراق کا باعث ہوتا ہے۔ مزید برآں ایسا ترجمہ دیگر فقہی مسالک پر کاربند قارئین کے لئے نا قابل قبول ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ فقہ اور احکام پر مختلف مسالک کی نمائندہ کتب کا حوالہ فراہم کیا جائے تا کہ حسب ضرورت قارئین ان کا مطالعہ کریں۔ معیاری ترجمہ قرآن کسی ایک فقہی مسلک سے مخصوص نہیں ہونا چاہئے۔

۵۔ حتی الامکان تفسیری حواشی تمام متعلقہ قرآنی آیات کا تذکرہ ہو کیونکہ قرآن مجید اپنی تفسیر خود بہترین انداز میں کرتا ہے۔ جو نکتہ ایک آیت میں اجمالی طور پر ہے اس کی وضاحت دوسری آیت میں ملتی ہے۔ اسی کا اطلاق احادیث پر بھی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد کلام الٰہی کی توضیح و تشریح تھا جسے آپؐ نے قولاً و فعلاً احسن طریقے پر انجام دیا۔ تفسیر بالماثور کی افضلیت سے یہ مراد نہیں کہ مترجم آج کے معاملات، مسائل اور حالات سے اعراض برتے۔ اس کا فرض ہے کہ ہدایت الٰہی کی روشنی میں آج کے مسائل پر بحث کرے البتہ اس کا مقصود اس ضمن میں قرآنی تعلیمات کو اجاگر کرنا ہونا چاہئے۔ اپنی ذاتی آراء یا اپنے گروہی، مسلکی اور فکری آراء پر اصرار قارئین کے درمیان انتشار اور افتراق پر منتج ہوگا۔ اصل مقصد قرآن مجید کے ابدی پیغام کو آج کے حالات پر منطبق کرنا ہے۔

۶۔ یہ امر ملحوظ خاطر ہونا چاہئے کہ انگریزی ترجمۂ قرآن کے مخاطب عربی سے نابلد انگریزی داں ہیں جو کم و بیش ایک خاص علمی، ذہنی سطح کے ہیں۔ لہٰذا ترجمے میں زبان اور بیان، محاورے اور اصطلاحات ان قارئین کے معیار کے مطابق ہوں۔ عربی اصطلاحات کا کثرت سے استعمال یا ان کو بجنسہٖ برقرار رکھنے سے قارئین کی رہنمائی ممکن نہیں، کسی بھی تصنیف کی کامیابی کا ضامن یہی معیار ہے کہ وہ قارئین کی ذہنی سطح سے ہم آہنگ ہو۔ اس کا اطلاق انگریزی ترجمۂ قرآن پر بھی ہوتا ہے۔ انگریزی داں قارئین ترجمۂ قرآن کے خواہ کتنے ہی شائق کیوں نہ ہوں اگر ترجمہ انگریزی زبان کی اغلاط سے پُر ہو اور انگریزی محاورۂ بیان کے خلاف ہو تو وہ کسی طرح قارئین کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا۔ بدقسمتی سے برصغیر ہند و پاک سے شائع زیادہ تر انگریزی تراجم کی علمی سطح معمولی ہوتی ہے ان میں زبان و بیان

کی ایسی فاش غلطیاں ہوتی ہیں کہ قارئین کے لئے ان کا مطالعہ ہمت شکن ہوتا ہے۔ بعض مترجمین ایسی نامانوس، ثقیل اور غریب تراکیب اور ذخیرۂ الفاظ استعمال کرتے ہیں جس کے باعث افہام وتفہیم کا باب کسی طرح نہیں کھلتا اور تصنیف اور ترجمے کا بنیادی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ بعض مترجمین کے ہاں مشکل پسندی کا رجحان غالب ہے۔ مغلق عبارت، غیر متعلق، طول طویل تفسیری حواشی، فقہی موشگافیاں، موجودہ سیاسی صورت حال پر غیر محتاط تبصرے، موجودہ حکمرانوں پر لعن طعن اور ان کو دجال اور طاغوت کی قرآنی اصطلاحات کی مصداق کے طور پر پیش کرنا، قارئین کی ذہنی سطح کو مطلق نظر انداز کرنا جیسے اسقام بعض تراجم پر داغ کی مانند ہیں۔ اسی طرح حرارت ایمانی اور کفر سے نفور فی نفسہٖ محمود ہیں البتہ کفر اور غیر مسلموں کے مابین فرق ملحوظ رکھنا مناسب ہے۔ تفسیری حواشی میں جابجا غیر مسلموں کو مردود اور مقہور ٹھہرانا دعوت، حکمت اور اخلاق کے منافی ہے۔ توحید کا اثبات اور کفر کی تردید لازم ہے اسی طرح وحدت ادیان کا تصور سرتا سر غیر اسلامی ہے اور اس کی تبلیغ کا مطلق کوئی جواز نہیں لیکن اسی کے پہلو بہ پہلو یہود و نصاریٰ کو مطعون کرنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ آج کے تکثیری معاشرے میں اس باب میں مزید احتیاط اور حکمت کی ضرورت ہے۔ مداہنت اور مصلحت میں، منافقت اور حکمت میں، خوشامد اور رواداری میں بڑا نازک فرق ہوتا ہے مسلمان مترجم اور مفسر پر یہ نکات اگر روشن رہیں تو ان کی تصنیف کا دائرۂ اثر اور افادیت میں اضافہ ہوگا۔

آج کے مترجم کی ذمہ داری دو چند بڑھ گئی ہے لیکن آج کے ان نئے مطالبات اور تقاضے کو پورا کرنا ایک کارِ عظیم ہوگا نہ صرف دعوت اور تبلیغ اور قرآن فہمی کے نقطۂ نظر سے بلکہ ایسی حکیمانہ، جامع، معتدل تصنیف بنی نوع انسان کے لئے ایک بیش بہا نعمت بھی ہوگی اور اجر جزیل کا موجب بھی۔

☆

حواشی اور حوالے

۱۔ Robert of Ketton, *Lex Mahumet Psuendoprophte*,

۲۔ Ludovico Maracci, *Alcorani Textus*, Padua, 1698.

۳۔ Alexander Ross, *The Alcoran of Mahomet*, London, 1649.

۴۔ Nabil Matar, "Alexander Ross and the First English Translation of the Quran", *Muslim World*, 88:1 (January 1998), pp.82.

۵۔ Ibid., p. 85

۶۔ Henry Stubbe, *An Account of the Rise and Progress of Mahometanism*, Lahore, Sh. M. Ashraf, 1954.

- George Sale, *The Koran*, London, Fredrick Warne, 1734, p.vii

- S.M.Zwemer, "Translation of the Quran, *Muslim World*, 5 (1915), p. 245.

۷۔ George Sale, *The Koran*, London, J. Wilcox, p. iv

۸۔ Ghulam Sarwar, "A Review of the Previous Translations of the Holy Quran" in his *Translation of the Holy Quran*, Karachi, Pakistan National Book Foundation, 1973, pp. vii-xxii

- M. Mohar Ali, *The Quran and the Orientalists*, Norwich, UK, Jamat Ihyaa Minhaj al-Sunnah, 2004, p.332.

۹- A.R. Nykl, "Notes on Palmer's *The Quran*", *Journal of the American Oriental Society* 56 (1936), pp. 77-84.

۱۰- Alfred Guillame, "Review on the Koran Interpreted", *Muslim World*, 47:1 (1957), p. 248.

۱۱- Abdur Raheem Kidwai, "Arberry's English Translation of the Quran:An Assessment", *Insight Islamicus*, Srinagar, Kashmir, India, 6:2006, pp. 6-15.

۱۲- N.J. Dawood, *The Koran*, London, Penguin, 1956.

۱۳- Alan Jones, *The Quran Translated into English*, London, Gibb Memorial Trust, 2007.

۱۴- Abdur Raheem Kidwai, "Mohammad Abdul Hakim Khan's *The Holy Quran*:The First Muslim or the First Qadyani English Quran Translation?", *Insights*, Islamabad, Pakistan, 2:1,2009, pp.57-75.

۱۵- Kenneth Cragg, "*The Holy Quran*, English Translation by Sher Ali", *The Muslim World* 47:4 (1957), pp.341-342.

۱۶- Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad, *The Holy Quran*, Qadyan, India Sadr Anjuman Ahmadiya, 1947-63, 1, ix.

۱۷- Amatul Rahman Omar and Abdul Mannan Omar, *The Holy Quran*, Hockenssin, DE, USA, Noor Foundation, 2005.

۱۸- Norman Daniel, *Islam and the West : The Making of an Image*, Edinburgh, Edinburge University Press, 1962.

۱۹ S.M. Zwemer, "Review on Abul Fadl's English Translation of the Quran, *Muslim World*, 2 (1912), pp. 82-83.

۲۰- Hairat Dihlawi, *The Quran*, Delhi, H.M. Press, 1916.

۲۱- Ghulam Sarwar, *The Holy Quran*, Singapore, 1920.

۲۲- Arafat El-Ashi (Ed.), *The Meaning of Glorious Quran: Revised and Edited in Modern Standard English*, Beltsville, USA, Amana, 1996.

۲۳- M.M. Pickthall, *The Meaning of the Glorious Quran*, London, Allen and Unwin, 1930.

۲۴- Abdur Raheem Kidwai, "Abdullah Yusuf Ali's Views on the Quranic Eschatology", *Muslim World League Journal*, 12:5, (February 1985), pp. 14-17.

۲۵- Abdullah Yusuf Ali, *The Holy Quran : English Translation of the Meanings and Commentary*, Revised and Edited by the Presidency of Islamic Researches, Ifta and Guidance, Madina, King Fahad Holy Quran Printing Complex, 1990.

۲۶- Maryam Jameelah, *Why I Embraced Islam*, Delhi, Crescent Publishing Company, pp. 3 and 5.

۲۷- Arfaque Malik, "Review on the *Message of the Quran* by Mohammad Asad", *Muslim World Book Review*, 1:1 (Autumn 1980), p.6.

- Rashid Ahmad Jullandri, "Review on Asad's *The Message of the Quran*", *Islamic Quarterly*, 12:3 (July-Sept. 1968), pp.179-180.

- A.A. Nadvi, "Review on *The Message of the Quran*", *Arabia* (Feb. 1981) pp. 80-18.

۲۸- G. Igonetti, "Review on *al-Quran*", *Instituto Orientale di Napoli* 45(1985), p. 521-522.

- K.E. Keck, "Review on Ahmad Ali's Translation of the Quran", *Acta Orientalia* 47 (1986), pp. 174-175.

۲۹۔ T.B. Irving, *The Quran:The First American Version*, Vermont, USA, Amana, 1985.

۳۰۔ Ahmad Raza Khan Barelvi, *The Holy Quran*, Karachi, Pakistan, Darul Ulum Amjadia, 1988.

۳۱۔ Abdul Majeed Auolakh, *The Holy Quran*, Karachi, Pakistan, Awais Company, 1996.

۳۲۔ Laleh Bakhtiar, *The Sublime Quran*, Chicago, US, Qazi Publications, 2007.

۳۳۔ Ahmad Zaki Hammad, *The Gracious Quran*, Lisle, USA, Lucent, 2007.

۳۴۔ Tarif Khalidi, *The Quran*, London, Penguin, 2008.

۳۵۔ S.V. Mir Ahmad Ali : *The Holy Quran with Translation and Commentary according to the version of the Holy Ahlul Bait*, Karachi, Pakistan, M. Khaleel Shirazi, 1964.

۳۶۔ M.H.Shakir, *The Quran*, New Delhi, India, Goodword, 2001.

۳۷۔ Ibid., *passim*

۳۸۔ Mahmood Y. Abdullah, *Tampering with the Text and Meaning of the Quran*, Leicester, Academia Press, 2005.

- Anis Ahmad, "The Miracle called Quran at the Mercy of Charlatans, *al-Ittehad*, 15:2 (April 1978), pp. 45-62.

- Bilal Philips, *The Quran Numerical : Hoax and Heresy*, Riyadh, Saudi Arabia, al-Furqan Publications, 1987.

۳۹۔ Abdur Raheem Kidwai, "Undisciplined Untutored and Unreasonable Readings of the Revealed Text : Some Recent English Translations of the Quran", *Muslim World Book Review*, 34:1 (Autumn 2013), pp. 6-24.

☆

عبدالرحیم قدوائی

قرآن مجید کے بارے میں مستشرقین کا علمی تعاقب

ہر چند کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا مخرج اور منبع ایک ہی ہے، وحیِ الٰہی اور ان کے مابین اقدارِ مشترک کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے قابل لحاظ ہیں لیکن اس کے باوصف اس تاریخی المیے سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں کہ اسلام/ مسلمانوں کو روزِ اول سے آج تک اسوۂ ابراہیمی کے ان نام نہاد پیروؤں یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کی جانب ہی سے سب سے زیادہ مخالفت اور بغض وعناد کا سامنا کرنا پڑا ہے، حربی اور علمی دونوں محاذوں پر بالخصوص۔ قرآن مجید کے براہ راست اور متواتر مخاطب ہونے اور خاتم النبیین محمد ﷺ کی برسوں کو محیط بہترین اور ہر ممکنہ کاوش کے باوجود آپؐ کے دور کے یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام اور قرآن مجید کو گویا یکسر مسترد ہی کیا اور اس کی بیخ کنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انھوں نے ہمیشہ اسلام کی حقانیت کا انکار ہی کیا اور اسلام کے عقائد اور اعمال کو مسخ شدہ شکل میں پیش کیا۔ یہ ایک مزید افسوس ناک تاریخی حقیقت ہے کہ مخالفت کی یہ لئے عہد بہ عہد، صدی بہ صدی شدید تر ہوتی گئی۔ مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور اثر ونفوذ نے عداوت اور نفرت میں اور اضافہ کیا۔ یہ بھی حالات کی ستم ظریفی رہی کہ یورپ/ اہل مغرب/ کلیسا کا اسلام سے اولین تعارف میدان جنگ میں دو بدو دشمن کے طور پر ہوا کہ اپنی ابتدا کے بعد اسلام/ مسلمانوں کا دائرہ اثر برق رفتاری سے یورپ تک جا پہنچا۔ اندلس (اسپین) صقلیہ، جنوبی اٹلی، بلقان، جنوبی روس، مشرقی اور وسطی یورپ کے بعد حتی کہ فرانس تک مسلمان فاتحین اپنے قدم جما چکے تھے۔

احساس برتری کے زعم میں بدمست اور خود پسندی کے نشے میں غرق کلیسا (Church) نے اس نئے سنگین خطرے سے نمٹنے کا واحد حل یہ تجویز کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، صحیفۂ اسلام،

پیغمبر اسلام، عقائد اسلام، احکام اسلام، شعائر اسلام غرض یہ کہ اسلام سے وابستہ ہر شے کو مطعون اور داغدار کیا جائے اور اس کو ایسی مسخ شکل میں پیش کیا جائے کہ کسی شخص کے لئے اسلام میں کوئی کشش باقی نہ رہے، گو اس مقصد کے لئے خواہ تاریخ کا گلا گھونٹنا پڑے یا صریحاً بے بنیاد فتنہ انگیز قصے گڑھنا پڑیں، صدیوں کو محیط استشراق (Orientalism) کی روایت اسی اجمال کی تفصیل ہے، اسی نہ سرخی کی مکمل عبارت ہے، اسی تمہید کا اصل متن ہے۔ علم وفضل، معروضیت، سائنسی، تجربی طرزِ فکر اور تحقیق کے تمام بلند و بانگ دعووں کے باوصف کسی مستشرق کو آج تک اس کی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ اسلام کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد کو کم از کم بیان ہی کر دے۔ یہاں مطالبہ ان سے اسلامی عقائد کو تسلیم کرنے کا نہیں ہے اپنی تمام تصانیف میں جب بھی وہ اسلام کا تعارف پیش کرتے ہیں تو اس کی رو سے نہ قرآن مجید کتاب اللہ ہے، نہ وحی الٰہی کی کوئی حقیقت ہے، نہ حضور اکرمؐ کی کوئی حیثیت دینی پیشوا کی ہے، نہ حدیث کا کوئی تاریخی مقام ہے۔ یہ نکتہ آٹھویں صدی کے سینٹ جان (St.John) سے لے کر آج اکیسویں صدی کے مائیکل کک (Michael Cook)، پیٹرشیا کرون (Patricia Crone) اور اینڈریو رپن (Andrew Rippon) سب پر صادق آتا ہے۔ تحقیق کے خوش نما اور متاثر کن عنوان کے تحت محض کذب اور افتراء اور التباس اور تشکیک پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش۔ اس کا اندازہ مستشرقین کے ان اتہامات سے ہوتا ہے جو وہ صدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عائد کرتے آئے ہیں۔ مستشرقین کے حملوں کا اولین ہدف قرآن مجید کی نوعیت اور اصل پر ہے۔ ان کے مطابق نزول وحی اور حضور اکرم ﷺ کو اللہ کا اپنے کلام سے سرفراز کرنا مطلقاً ناقابلِ تصور اور ناقابلِ قبول ہے۔ اپنے اسی تعصب اور کجروی کی بنا پر وہ بلا تکلف حضور اکرم ﷺ کو قرآن مجید کا نعوذ باللہ مصنف گردانتے ہیں۔ آپ ﷺ کا مصنفِ قرآن مجید ہونا ان کے مسلمات میں داخل ہے۔ طرہ یہ کہ وہ آپ ﷺ کو ایسا مصنف بیان کرتے ہیں جس نے از خود کچھ تصنیف نہیں کیا بلکہ یہودی اور عیسائی روایات کا ایک ملغوبہ پیش کر دیا۔ رہی قرآن مجید کی ترتیب اور تدوین مستشرقین کو اس میں محض سقم ہی سقم نظر آتے ہیں۔ ان کی رو سے متنِ قرآن غیر مستند اور مختلف فیہ، اس کے جمع اور تدوین کی تاریخ مشکوک اور اس کی ترتیب غیر فطری اور غیر منطقی ہے۔ قرآن مجید کے اسلوب، محاورۂ بیان،

ادبی خصوصیات تک کے بارے میں ان کے قلم سے کلمۂ خیر خال خال ہی ادا ہوتا ہے۔

جہاں تک اسلام اور قرآن مجید کے بدیہی باہمی تعلق کا معاملہ ہے مستشرقین نے اس بارے میں ایسے شوشے چھوڑے ہیں جو عبرت زا بھی ہیں اور حد درجے مضحکہ خیز بھی۔ کچھ کیفیت اس مصرعے کی ''ناطقہ سر بہ گریباں ہے'' مثلاً مغرب میں آج کل مطالعۂ اسلامیات کے ضمن میں بڑا شہرہ Revisionist School کے لائق فائق محققین کا ہے۔ اس طرز فکر کی داغ بیل انیسویں صدی کے ہنگری نژاد یہودی اگناز گولڈزیہر (Ignaz Goldziher) نے ڈالی تھی اس میں کچھ مزید گُل جرمن نژاد یہودی جوزف شاخت (Joseph Schacht) نے کھلائے۔ اس مکتبۂ فکر (اگر اسے فکر پر مبنی قرار دیا جاسکے) کے مطابق قرآن مجید اور حدیث درحقیقت دوسری صدی ہجری یعنی حضور ﷺ کے ڈیڑھ سو سال بعد وجود میں آئے! ان کی تحقیق انیق یہ ہے کہ امت مسلمہ نے اپنی فقہی، معاشرتی اور دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ان دونوں ماٰخذ کو ایجاد کیا اور انھیں اللہ، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام سے منسوب کرڈالا! بانفاظِ دیگر حضور اکرم ﷺ، خلفائے راشدین حتیٰ کہ تابعین کے عہد تک اسلام بہ طور دین، بہ طور ضابطۂ حیات، بہ طور ایک روز افزوں معاشرے اور تہذیب قرآن مجید اور حدیث اور سنت کے بغیر وجود میں آگیا بلکہ پروان بھی چڑھتا رہا حتیٰ کہ نصف دنیا پر قابض تک ہوگیا۔ اس عجوبے کی کیا داد دی جائے۔ ''ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی'' کی صورت حال۔ آخر بیسویں صدی میں لندن یونیورسٹی کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز کے شعبۂ اسلامیات کے صدر اور پروفیسر جان وانسبرا (John Wansborough) نے مذکورہ بالا مفروضات میں کچھ اور عجیب و غریب اضافے کئے۔ وہ دور کی کوڑی یہ لائے کہ قرآن مجید کے مختلف اجزا کی تشکیل دراصل حجاز/عرب میں نہیں بلکہ عراق یا شام کے مقامی باشندوں کا نتیجۂ فکر ہے!! دوسری صدی ہجری کے بعد کے خوش عقیدہ مسلمانوں نے اسلام کے نام پر عقائد کا ایک پورا نظام گڑھا اور اس کو درجۂ استناد بخشنے کے لئے قرآن مجید کا متن اور حدیث کے دفاتر وضع کئے۔ اس ناقابل یقین مفروضے کو نام نہاد علمی بنیادوں پر حالیہ عشروں میں موصوف کے شاگردوں اینڈ ریوریپن، پیٹریشیا کرون اور مائیکل کک نے مزید کمک پہنچائی ہے۔

مستشرقین کے ایک گروہ نے قرآن مجید کی تضعیف اور استخفاف کے لئے یورپی زبانوں میں ترجمۂ قرآن کی راہ اختیار کی۔ مقصود یہ رہا کہ عربی سے نابلد قارئین کو ترجمۂ قرآن کے نام پر گمراہ کیا جائے ان کے دل و دماغ کو غلط ترجمے اور غلط ترجمانی اور فتنہ پرور حواشی کے ذریعہ مسموم کیا جائے۔ مستشرقین کے انگریزی تراجم کی پوری تاریخ اسی شر سے مملو ہے۔ قرآن مجید کے اولین انگریزی مترجم الیگزنڈر راس (Alexander Ross) ہوئے ہیں ان کا ترجمہ 1649 میں منظر عام پر آیا۔ بہ ظاہر یہ بیان خواہ کتنا ہی ناقابل قیاس محسوس ہو لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ قرآن مجید کا یہ مترجم عربی سے مطلق ناواقف تھا اس حقیقت کی شہادت اور صراحت خود ایک اور مستشرق انگریزی مترجم قرآن جارج سیل (George Sale) کی تحریر سے ملتی ہے۔ سیل کا درج ذیل تبصرہ خاصا چشم کشا ہے:

> راس کا انگریزی ترجمہ اصل میں فرانسیسی مترجم قرآن Du Ryer کے ترجمہ (شائع 1647) کا انگریزی چربہ ہے اور یہ نقل در نقل بھی حد درجہ ناقص ہے کیونکہ الیگزنڈر راس عربی سے قطعاً ناواقف تھے اور فرانسیسی زبان پر بھی قادر نہ تھے لہٰذا ان کے ترجمے میں نئی غلطیوں کا در آنا کچھ ایسا عجب نہیں۔ ان کا طرز تحریر اسقام سے پُر ہے اور کسی بہترین کتاب کا بھی ترجمہ ان کے قلم سے مضحکہ خیز بن جاتا ہے[۱]۔

عجوبہ صرف یہی نہیں Ross کے ترجمۂ قرآن کے سرورق اور عنوان کی درج ذیل عبارت ان کی جہالت اور خبث باطن پر دال ہے:

"The Alcoran of Mahomet, Translated out of Arabic for the satisfaction of all that desire to looking into Turkish vanities".

یہاں بلا تکلف صریحاً حضور اکرم ﷺ کو مصنف قرآن مجید قرار دیا گیا ہے۔ مزید ستم یہ کہ اسلام/قرآن مجید کو صرف ترکوں ہی تک محصور اور محدود کر دیا ہے گویا راس عربوں کے وجود تک سے بے خبر تھے۔

دوسرے انگریزی مترجم جارج سیل (1734) ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں وارد لفظ 'عبد' کا جواز یہ پیش کیا ہے کہ چوں کہ اسلام کو صرف غلاموں ہی نے قبول کیا تھا اسی لیے قرآن مجید میں یہ صیغۂ خطاب مذکور ہے۔ ''یاایھا الناس'' کا ترجمہ محض "O Makkans" سے کیا ہے تاکہ یورپی قارئین کے ذہن میں یہ تصور بس جائے کہ اسلام، قرآن مجید محض ایک وقتی اور مقامی معاملہ تھا جو اب کالعدم کے درجے میں داخل ہے۔ اس میں ترجمۂ قرآن مجید سے قبل ایک مفصل مقالہ تعارف اسلام کے طور پر ہے۔ جو متعارف کم، بدظن کرنے کی کوشش زیادہ ہے تاکہ قارئین اصل متن کے مطالعے سے قبل ہی اسلام اور حضور اکرم ﷺ سے متنفر ہو جائیں۔ اگلے مترجم جے ایم راڈویل (J.M. Rodwell) نے متن قرآن کی ترتیب کو بدلنے کا کارنامہ انجام دیا۔ اپنے علم وفضل کے پندار میں بدمست انھوں نے متن قرآن کو نزولی/ تاریخی لحاظ سے از سرنو مرتب کیا ہے اور بڑی بے باکی سے اس کا اعلان اپنے ترجمے کے عنوان میں بھی کیا ہے۔

"The Koran : The Suras Arranged in Chronological Order with Notes (1861)"

اگلے مترجم ای.ایچ. پالمر (E.H. Palmer) کا ترجمہ دانستہ اور نادانستہ اغلاط کی پوٹ ہے۔ ایک صاحب نظر اور نسبتاً منصف مزاج مستشرق عالم A.R. Nykl نے پالمر کے ترجمے میں در آئی 70 اغلاط کی نشاندہی کی ہے[۲]۔ اگلے مترجم Richard Bell نے اپنے پیش رو Rodwell کی راہ اپنائی اور اس کا برملا اظہار ان کے ترجمے کے عنوان سے عیاں ہے۔

"The Quran translated with a critical rearrangement of the Surahs (1937-1939)".

موصوف نے آیات کے بارے میں بھی منفرداً خامہ فرسائی کی مثلاً یہ کہ فلاں آیت مصحف میں فلاں مقام پر غلط چسپاں ہوگئی ہے، فلاں آیت درحقیقت مصحف میں شمولیت کے لئے تھی ہی نہیں، غلطی اس میں درج ہوگئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اے۔ جے۔ آربیری (A.J. Arberry) کا ترجمہ نسبتاً غنیمت ہے۔ گو اغلاط سے پاک یہ بھی نہیں ہے۔ 1956 میں عراق نژاد یہودی

این۔جے۔داؤد (N.J. Dawood) نے اپنا ترجمہ پیش کیا، اپنے پیش لفظ میں موصوف نے حجاز کے یہودیوں پر ظلم وستم کی داستان اس پیرائے میں رقم کی ہے کہ گویا اسلام صرف قتل وغارت گری سے عبارت ہے اور نعوذ باللہ حضور اکرم ﷺ یہود کے حق میں قہر مجسم تھے۔ تازہ ترین انگریزی ترجمہ ایلن جونز (Alan Jones) کا ہے جو 2007 میں شائع ہونے کے باوصف اسلام دشمنی اور قرآن مجید کو مطعون کرنے میں اپنے پیش روؤں سے آگے ہی ہے۔ ان کے بقول قرآن مجید صرف مناظرے بازی پر مشتمل ہے۔ محض بائیبل ہی نہیں خطہ مشرق کے معروف قصے اور کہانیاں قرآن مجید کا ماخذ ہیں۔ مزید برآں قرآن مجید کا متن ''غیر واضح، پیچیدہ، مشکوک، مختلف فیہ، غیر منطقی اور معنی اور مطلب سے عاری ہے''[۳]۔

یہ امر عالم اسلام کے لئے انتہائی خوش کن اور باعث طمانیت ہے کہ علمی تاریکی کے اس ماحول میں استشراق کے اس فتنۂ عظیم کا پردہ چاک کرنے اور اس کا مسکت جواب دینے کی توفیق اللہ نے حال میں دو مسلمان اہل قلم کو بخشی ہے (۱) محمد مصطفیٰ الاعظمی (مولد: مئو، اعظم گڑھ) نے تعلیم پہلے دار العلوم، دیوبند اور جامعہ الازہر قاہرہ اور پھر کیمبرج یونیورسٹی انگلستان سے حاصل کی۔ موصوف شاہ سعود یونیورسٹی ریاض میں اسلامیات کے پروفیسر ایمریٹس کے طور پر فائز ہیں۔ کیمبرج کے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں اس سے قبل موصوف نے مستشرق شاخت (Schacht) کی حدیث کے بارے میں ہرزہ سرائی کا مدلل جواب دیا تھا، آپ کی تازہ تصنیف مطالعۂ قرآنیات میں اہم اور قابلِ رشک درجہ رکھتی ہے۔

The History of the Quranic Text: From Revelation to Compilation (Leicester, U.K. Islamic Academy 2003, 376 Pages)

گراں قدر تحقیق کو محیط یہ تصنیف جمع قرآن کی بے غبار تاریخ پیش کرنے میں ازحد کامیاب ہے۔ وحی الٰہی کی صحیح کیفیت اور نوعیت، مکی اور مدنی ادوار میں نزولِ قرآن، صحابۂ کرام اور کاتبین عظام کا متن قرآن کی صحت کے لئے اہتمام، متن قرآن کی ترتیب، مصحف کی شکل میں جمع اور تدوین اور اس ضمن میں بالخصوص حضرت عثمانؓ کی خدمات جلیلہ، عربوں میں فن کتابت کی

تاریخ، قرأت سبعہ اور متعلقہ مباحث کو محیط یہ تصنیف جمع و ترتیب اور تدوین قرآن کے بارے میں مستشرقین کے عائد کردہ الزامات اور اعتراضات کا مدلل اور جامع جواب ہے۔ الاعظمی کا انداز تحریر، طریقۂ بحث، مستند تاریخی مآخذ اور منطقی استنباط اس تصنیف کے چند مزید امتیازی پہلو ہیں۔ موصوف نے بائبل کے متن میں پیوست تحریفات کا چشم کشا تجزیہ بھی کیا ہے۔

بلند علمی پایہ کی دوسری تصنیف پروفیسر محمد مہر علی کی The Quran and the Orientalists, Norwich, U.K., 2004, 373 Pages ہے۔ مستشرقین کے قرآن مجید کے خلاف اتہامات اور تعصبات کی یہ ایک قابل داد اور مبسوط تردید ہے۔ قرآن مجید کی تصنیف میں نعوذ باللہ حضور اکرم ﷺ کے ذاتی، اغراض و مقاصد، یہودی اور عیسائی مآخذ کی بنیاد پر قرآن مجید کی تالیف، وحی الٰہی کے بارے میں ولیم میور، ڈیوڈ مارگولیتھ، رچرڈ بیل اور منٹگمری واٹ کی گمراہ کن آرا، جمع اور تدوین قرآن کے باب میں نولڈیکی، آرتھر جیفرے، جان برٹن اور تازہ ترین Revisionist School کے فتنہ پرور مفروضات کلام اللہ کے اسلوب اور زبان و بیان کے بارے میں مستشرقین کی خردہ گیری اور ان کے تراجم قرآن کی فاش اغلاط وغیرہ کا فاضل مصنف نے انتہائی مہارت اور تبحر علمی کے ساتھ تعاقب کیا ہے جو کہ ملتِ اسلامیہ پر ایک احسان کا مقام رکھتا ہے۔

ان دونوں فاضل مسلمان اہل قلم نے جابجا مستشرقین کے حوالے اور اقتباسات نقل کیے ہیں ان کی تصانیف جامع کتابیات سے مزین ہیں انھوں نے اپنے دلائل شستہ اور رواں انگریزی محاورۂ بیان میں پیش کیے ہیں۔ اس سے قبل بھی توفیق الٰہی سے بعض مسلمان اہل قلم مثلاً عبداللطیف طباوی اور محمد خلیفہ وغیرہ نے مستشرقین کے فتنے کی تردید کی تھی لیکن مستشرقین کے مالہ و ماعلیہ پر پروفیسر الاعظمی اور پروفیسر مہر علی کی مذکورہ بالا تصانیف گویا حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔ انشاء اللہ یہ دونوں تصانیف اس فتنے کے استیصال میں بڑی معاون ثابت ہوں گی۔

حواشی اور حوالے

۱۔ George Sale, *The Koran*, London, Fredrick Warne,1734,p.vii

۲۔ A.R. Nykl, "Notes on Palmer's *The Quran*," *Journal of the American Oriental Society*, 56 (1936), pp. 77-84.

۳۔ Alan, Jones, *The Quran Translated into English*, London, Gibb Memorial Trust, 2007

قرآن مجید پر مستشرقین کی چند اہم تصانیف یہ ہیں:

1. R. Blachere, *Introduction an Coran* (1947)
2. John Burton, *The Collection of the Quran* (1977)
3. Arthur Jeffrey, *Materials for the History of the Text of the Quran* (1937)
4. Theodore Noldeke, *Geschichte des Qorans* (1909)
5. Richard Bell, *The Origin of Islam in its Christian Environment* (1926) and *Introduction to the Quran* (1958)
6. H. Hirschfeld, *New Researches into the Composition of the Quran* (1902)
7. John Wansbrough, *Quranic Studies, Sources and Methods of Scriptural Interpretation* (1977)

انگریزی تراجم قرآن پر مفصل تبصروں کے لیے دیکھیے:

- Abdur Raheem Kidwai, *Translating the Untranslatable : A Critical Guide to 60 English Translations of the Quran*, New Delhi, Sarup Publishers, 2011, 345 pages.

قرآن مجید اور مستشرقین پر دیگر مسلمان اہل قلم کی تصانیف:

Mohammad Khalifah, *The Sublime Quran and Orientalism* (1983)

A.L. Tibawi, *English Speaking Orientalists* (1964)

عبدالرحیم قدوائی

ایک مستشرق کا خوشگوار انگریزی ترجمۂ قرآن مجید (۱۹۹۳ء)

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے (اقبالؔ)

ہر چند کہ یہ مصرعہ پامال ہے لیکن زیر تذکرہ تصنیف پر بالکل صادق آتا ہے کہ مذکورہ تصنیف امریکہ نژاد اور امریکہ ہی میں مقیم مستشرق Thomas Cleary ٹامس کلیری (پ ۱۹۴۹ء) کی ہے۔ موصوف نے مشرقی ایشیا کی زبانوں اور تہذیب پر تحقیقی سند مشہور امریکی جامعہ ہارورڈ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ان کی اصل شہرت اور مہارت بطور مترجم ہے اور میدانِ اختصاص بدھ مت کے مذہبی صحائف کا انگریزی ترجمہ اور ان کی ترتیب اور تدوین ہے۔ ۲۵ سے زائد بدھ مت کے مذہبی صحائف کے ان تراجم ان کی جلالت علمی پر دال ہیں۔ اسلام پر ان کی یہ تین تصانیف اور تراجم ہیں:

1- The Essential Koran - The Heart of Islam: An Introductory Selection of Readings from the Quran (Harper Collins, 1993)

2- The Quran : A New Translation (Starlatch, 2004)

3- The Wisdom of the Prophet : The Sayings of Muhammad (Shambhala, 2001)

اس مقالے میں تذکرہ البتہ صرف اول الذکر تصنیف یعنی منتخبہ آیاتِ قرآن مجید کے

انگریزی ترجمہ کا ہے۔ گو کہ یہ مکمل ترجمۂ قرآن مجید نہیں ہے لیکن اس تصنیف کی اصل اہمیت اس میں شامل تفسیری حواشی کی بنا پر ہے۔ اس کے حواشی ہی مصنف کے قرآن مجید کے تئیں قابل ستائش طرزِ فکر کے عکاس ہیں۔ کلیری کا مکمل ترجمہ قرآن مجید اس باعث زیادہ لائق توجہ نہیں کہ حواشی سے عاری ہونے کے باعث اس سے مصنف کے ذہن اور قرآن مجید سے متعلق اس کے نقطۂ نظر کا حال کچھ کھلتا نہیں۔ تیسری تصنیف منتخبہ احادیث نبوی کے ترجمے پر مشتمل ہے جس کا اس مقالے سے براہ راست تعلق نہیں۔

زیر تبصرہ تصنیف کے دو مابہ الامتیاز پہلو ہیں اور دونوں ہی وقیع، بڑی حد تک حیرت انگیز اور مزید تحقیق اور مطالعے کے لائق۔ ہر چند کہ یہ ترجمہ ایک مستشرق کے قلم سے ہے لیکن خوشگوار بلکہ ناقابل یقین حد تک صدیوں کو محیط، مستشرقین کی اسلام سے بغض وعناد سے عبارت رویے سے یکسر مبرا ہے۔ دیباچے میں چرچا نہ اسلام کی خرد دشمنی کا ہے اور نہ اسے عیسائیت کے ایک ناکام، مضحکہ خیز چربے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید باعث مسرت یہ نکتہ بھی کہ معاصر مستشرقین کے برعکس موصوف کی نظر میں اسلام دہشت گردی اور جنگ و جدال کا منبع اور ماخذ نہیں۔ اسی طرح ان کے تعارف یا حواشی میں مستشرقین کے تسامحات، تعصبات، مزعومات اور افتراء کا طومار نہیں ملتا بلکہ اس کے برعکس مخلصانہ اور دیانتدارانہ سعی اس امر کی ہے کہ آج کی سیکولر بلکہ مذہب بیزار دنیا کے سامنے قرآن مجید کی اہمیت، معنویت اور جواز کو ثابت کیا جائے۔ دلائل و براہین کی بنیاد پر مصنف نے اس بدیہی حقیقت کو اجاگر کیا ہے جس سے بدقسمتی سے مغرب لاعلم ہے کہ قرآن مجید ہی ایسا صحیفہ ہے جو اپنے قارئین کی ایسی ذہنی اور فکری تربیت کرتا ہے جس کے نتیجہ میں حصول علم اور فروغ دانش کے باب وا ہوتے ہیں اور تحقیق اور اکتشافات کی اصل روح تک رسائی ہوتی ہے۔ بغیر کسی ذہنی تحفظ کے مصنف نے قرآن مجید کا شمار توریت اور انجیل کی طرح کتاب الٰہی کے طور پر کیا ہے اور اس بلیغ نکتے کو بھی نمایاں کیا ہے کہ دیگر کتب سماوی کے برخلاف قرآن مجید کی تنزیل، جمع وتدوین اور تفسیر ایک بیّن تاریخی حقیقت ہے اسی طرح انھوں نے قرآن مجید کے عالم گیر پیغام کا اعتراف کیا ہے کہ اس کا مخاطب فرد بھی ہے اور جماعت بھی، اور ماضی کی ملتیں، آج کی اقوام اور مستقبل کے تمام بنی نوع انسان۔ دیگر مستشرقین کے برخلاف ان کو اسلام

کی غیر معمولی کامیابی اور پذیرائی کے پس پشت کوئی دوراز کار معاشی، جغرافیائی یا معاشرتی عوامل نظر نہیں آتے بلکہ اسے انھوں نے صریحاً اسلام کے انقلابی اور فطری پیغام کا ثمرہ قرار دیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

> محمدؐ اور مسلمانوں کی کامیابی محض عسکری فتوحات کی مرہون منت نہیں بلکہ یہ نتیجہ تھی مسلمانوں کے اپنے مذہب سے فرط تعلق کا اور ظلم اور ناانصافی کے خلاف ان کے برسرپیکار ہونے کا۔ احکام قرآن اور خود اپنے کردار اور عمل سے آپؐ نے خاندانی، معاشرتی اور معاشی زندگی میں متعدد اصلاحات کیں (ص. xii)

دیباچے کے علاوہ اپنے تفسیری حواشی میں مصنف نے جا بجا قرآن کی عظمت اور حقانیت کو اجاگر کیا ہے جو ان کی سلیم الطبعی اور انصاف پسندی کی شہادت دیتا ہے۔ ان کے بعض قابل قدر تفسیری نکات حسب ذیل ہیں:

الف) قصہ آدم کے ذیل میں مصنف کی یہ صراحتیں بہت اہم ہیں: ''قرآن کی رو سے آدم کی لغزش کے لئے حوا ذمہ دار نہیں بلکہ آدم اور حوا دونوں ہی شیطان کے مکر کا شکار ہوئے'' (ص 171)۔ یہ موقف معروف یہودی/عیسائی روایت سے یکسر مختلف ہے جس کے مطابق ھبوط کی تمام تر ذمہ داری حوا کی ہے۔ اسی باعث عیسائی مغرب میں عورت کے حقیر ہونے کا خیال عام ہوا۔

مصنف نے اس حقیقت کو بھی نمایاں کیا ہے کہ قرآن مجید میں مذکور آدمؑ کی شبیہ یہودی/ عیسائی روایت سے بالکل جدا ہے۔ بائبل کے بموجب بنی نوع انسان خاطی ہونے کے سبب شفاعت اور نجات کا محتاج ہے۔ اسی کے زیر اثر عیسیٰؑ کے نجات دہندہ ہونے اور بنی نوع انسان کے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے عقائد عام ہوئے۔ مصنف نے یہ صراحت بجا طور پر کی ہے: ''یہودی/ عیسائی عقیدے کے برخلاف قرآن نے اللہ کی قدرت کاملہ اور رحمت تامہ کو نمایاں کیا ہے، آدم کو عقل اور قوت فیصلہ سے سرفراز کیا ہے

اور آدم کو اولین پیغمبرِ الٰہی کے طور پر پیش کیا ہے''۔ (ص ۱۷۱)

ب) مصنف نے ابتداء ہی میں غیر مسلم بالخصوص عیسائی قارئین پر یہ واضح کر دیا ہے کہ قرآن مجید میں مذکور بائبل اور عیسائی دنیا میں رائج بائبل کے درمیان نمایاں فرق ہے اور ان دونوں کو ایک نہیں سمجھنا چاہئے'' (ص ۱۶۷)۔ بالفاظ دیگر مصنف نے موجودہ بائبل کے محرف ہونے کا اثبات کیا ہے۔

ج) مذکورہ بالا نکتے کو مزید واضح انھوں نے اس جملے میں کیا ہے: ''قرآن اصلاً فرقان ہے کہ اس کے مندرجات کی روشنی میں قدیم صحف سماوی میں حذف اور اضافے کا علم ہوتا ہے اور اس طرح انسان اصل حقیقت سے واقف ہوتا ہے'' (ص ۱۷۶)۔

د) سورہ النساء میں وارد قانونِ وراثت میں عورتوں کے خلاف کوئی امتیاز نہیں برتا گیا ہے یہ محض مستشرقین کا بہتان ہے۔ اس باب میں مرد اور عورت کے مابین فرق کی وجہ صرف یہ ہے کہ ''مرد کے برخلاف عورت پر معاشی کفالت کی کوئی ذمہ داری نہیں'' (ص ۱۷۹)۔

س) مصنف کے تجزیے کے مطابق قرآن مجید کا یہ غیر معمولی وصف ہے کہ ''عیسیٰؑ کے لئے انتہائی تعظیمی القاب (''کلمہ، روح'') کے استعمال کے باوجود اس نے اللہ کی وحدانیت کو بعینہٖ برقرار رکھا ہے۔ قرآن نے عیسیٰؑ کے بنیادی پیغام کا اثبات بھی کیا ہے اور خود قرآن کو ماقبل کی وحی الٰہی کے مصداق اور محافظ کے طور پر بھی پیش کیا ہے'' (ص ص ۱۸۰-۱۸۱)۔

ش) قرآن نے پیغمبروں کی عظمت کے پہلو بہ پہلو ان کی بشریت کا بھی اعلان کیا ہے۔ قرآن کا یہ امتزاج قابل غور ہے کہ اس نے پیغمبروں کو حاملِ وحی الٰہی سے تعبیر کیا ہے تاکہ'' ان کے پیغام کے الٰہی ہونے کے بارے میں کوئی شک وشبہہ نہ رہے'' (ص ۱۸۴)۔

ص) رہبانیت کی تغلیط اور تردید قرآن کا ایک اور امتیازی پہلو ہے۔ ''کشاکشِ دنیا سے فرار انسان کو زیب نہیں دیتا۔ اصل امتحان یہ ہے کہ آزمائشوں اور مسائل کے باوصف انسان

زندگی بہترین طور پر بسر کرے''(ص۱۸۴)۔

ض) صدقے اور خیرات کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تعبیر کرتے ہوئے قرآن مجید نے اس نیک عمل کی ترغیب اور اہمیت میں بہت اضافہ کیا۔ مصنف کا اس بارے میں یہ تبصرہ اہم ہے کہ ''صدقہ، خیرات معاشرہ کی فلاح و بہبود اور اس میں توازن قائم رکھنے کے ضامن ہیں''(ص۱۹۳)۔

ط) ''بت پرستی اور مادہ پرستی کے خلاف اعلان جنگ کے باوجود قرآن ترک دنیا کا قائل نہیں۔ اس کا مقصود ہے کہ دنیا میں توازن اور اعتدال قائم رہے، قرآن کے مطابق مال فی نفسہ محمود یا مذموم نہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیسے خرچ کیا جائے، اسی پر اس کا محمود یا مذموم ہونا منحصر ہے''(ص۲۰۱)۔

پیغام قرآن مجید کی اس مثبت اور منصفانہ ترسیل اور ابلاغ کے علاوہ اس ترجمۂ قرآن مجید کا دوسرا خوشگوار پہلو تقابلِ ادیان ہے۔ یہ افسوس ناک بلکہ سوہانِ روح علمی روایت مغرب اور استشراق کے مسلمات میں داخل ہے کہ قرآن مجید نعوذ باللہ یہودی، مسیحی اور مشرق قریب کی مذہبی روایات کا ملغوبہ ہے اور آں حضرتؐ کی محض اختراعِ ذہنی۔ ان کے مطابق اولاً قرآن مجید کے مضامین سرے سے غور وفکر کے لائق ہی نہیں، اور اگر کوئی مثبت پیغام جہاں تہاں ہے بھی تو وہ یہودی/مسیحی روایات سے ماخوذ یا اس کا ناقص چربہ ہے۔ صدیوں سے مستشرقین توریت، انجیل اور قرآن مجید کے مابین مماثلت کو محض ناکام سرقے پر محمول کرتے رہے ہیں، اس پس منظر میں مصنف کی یہ کاوش قابل داد ہے کہ اس غیر منصفانہ اور باطل مفروضے کو مطلق نظر انداز کرتے ہوئے اپنی تصنیف میں انھوں نے قرآن مجید اور تقابلِ ادیان کے ضمن میں ایک نئی علمی روایت کی بنیاد ڈالی ہے کہ جابجا قرآن مجید اور بدھ مذہبی صحائف کے مابین مشترک نکات کو منظر عام پر لائے ہیں اور اس میں ان کا رویہ تفوق یا اعتراض کا نہیں بلکہ مقصود دو عظیم مذہبی روایات کے درمیان متفق علیہ تصورات اور تعلیمات کو نمایاں کرنا ہے۔ مطالعۂ قرآن مجید کے باب میں یہ ایک گراں بہا اضافہ ہے کیونکہ ہمارے علماء اور قرآن مجید کے طالب علم بالعموم اس مشترک میراث

سے بے خبر ہیں۔ موصوف نے عالمانہ وقار کے ساتھ اور بمسرّت ان مشترک اقدار کا تذکرہ کیا ہے۔

ان کی تحقیق کے مطابق رضائے الٰہی کے حصول کے لئے صدقے، خیرات کی روایت، علم اور اس کی انواع اور اقسام کی جستجو، آبائی تقلید سے اجتناب، نورِ الٰہی سے ہم کنار ہونے کی سعیِ پیہم، تاریخی آثار کے حوالے سے حقیقتِ عظمیٰ کی شناخت وغیرہ قرآن مجید اور بدھ مذہبی صحائف کے مشترک مضامین ہیں۔اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے:

۱) سورہ البقرہ آیت ۴۴ میں منافقین پر یہ تعریض ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں؟ جبکہ وہ خود نیک عمل کرنے سے محترز رہتے ہیں۔ مصنف کے بموجب بدھ مذہبی صحیفے The Flower Ornament Scripture (باب ۱۰) میں بعینہ یہی مضمون اس طرح ادا ہوا ہے: ''ان کی مثال کونے میں بیٹھے ہوئے اس شخص کی سی ہے جو نیک عمل کا ذکر ضرور کرتا ہے لیکن یہ اس کے قلب کی اندرونی آواز نہیں ہوتی، بلاشبہ ایسے ہی لوگ بے عمل ہیں'' (ص ۱۷۱)۔

۲) سورہ البقرہ کی معروف آیت البر (آیت ۱۷۷) میں مختلف حاجت مندوں کی مدد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم آیا ہے۔ ''علیٰ حُبِّہٖ'' کی ضمیر کا مرجع مفسرین نے اللہ اور مال دونوں کو قرار دیا ہے یعنی حُبّ الٰہی کے تحت مال خرچ کیا جائے یا مال سے محبت کے باوصف اسے ضرورت مندوں کی مدد پر صرف کیا جائے۔ مصنف کا قول ہے کہ بدھ مذہب میں بجنسہ یہی حکم پایا جاتا ہے کہ بہترین صدقہ یا عطیہ وہ ہے جو معطی، مستحق شخص اور عطیے کی مالیت سے ماورا ہو۔ موصوف کی رائے میں صدقے اور خیرات سے متعلق سورہ البقرہ کی جامع آیات (۲۶۲ - ۲۶۵) اور بدھ مذہب کی اس بارے میں تعلیمات مشترک اور مماثل ہیں بالفاظ دیگر دونوں مذاہب میں صدقے اور خیرات کی اہمیت اور ان کی ادائیگی کے آداب اور اقدار یکساں ہیں (ص ۱۷۵)۔

۳) سورہ آل عمران (آیات ۷۹ - ۸۰) میں عیسیٰؑ کے بارے میں عیسائیوں کے مشرکانہ

عقائد کی پُر زور تردید اور پیغمبران الٰہی کی بشریت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف کے بموجب بدھ مذہبی عقیدہ Mahaparinirvana-sutra بھی شخصیت پرستی کے اسی شدید انکار کا مظہر ہے۔ بالفاظ دیگر، دونوں مذاہب میں شخصیت پرستی کی گنجائش نہیں (ص ۱۷۷)۔ یہاں یہ اضافہ البتہ ناگزیر ہے کہ یہ عقیدہ بدھ مذہب کا جزو ضرور رہا ہوگا مگر عملاً آج بدھ مذہب بدترین شخصیت پرستی سے عبارت ہے۔ گوتم بدھ کی مورتی پوجا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ فاضل مصنف کا اس بارے میں مطلق سکوت ناقابل فہم ہے۔

۴) سورہ لقمان (آیت ۲۷) میں اللہ کی خلاقی اور لامحدودیت کو اس مرعوب کن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے:

> روئے زمین کے تمام درختوں کے اگر قلم ہو جائیں اور تمام سمندروں کی روشنائی ہو جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اور بھی ہوں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ بے شک اللہ غالب اور باحکمت ہے۔

مصنف کی تحقیق کے مطابق بدھ مذہبی صحیفے The Flower Ornament Scripture کے باب ۳۹ میں آفاقی چشم کی جلالت کا اظہار بھی کم وبیش ان ہی الفاظ میں کیا گیا ہے کہ "یہ آفاقی چشم تمام انفس و آفاق اور حقیقت عظمیٰ کی ہمہ وقت نگرانی کرتی رہتی ہے، حقیقت اولیٰ کی جانب سب کی رہنمائی کرتی رہتی ہے اور تزکیے کا فریضہ بھی انجام دیتی رہتی ہے۔ اس آفاقی چشم کی عظمت، تعلیمات اور صفات عالیہ کو تمام پہاڑوں کے مساوی قلم اور تمام سمندروں کے برابر روشنائی بھی رقم نہیں کر سکتی" (ص ۱۸۹)۔

۵) مصنف نے اس حقیقت کی بھی نقاب کشائی کی ہے کہ سورہ سبا (آیت ۳) میں لوحِ محفوظ کا قرآنی تصور کم وبیش وہی ہے جو بدھ مذہبی صحیفے The Flower Ornament Scripture کے باب ۳۷ میں درج ہے۔ دونوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ اس لوح میں ابد سے ازل تک کے تمام واقعات اور احوال درج ہیں۔ (ص ۱۹۰-۱۹۱)۔

۶) سورہ سبا آیت ۳۹ میں صدقے، خیرات کے لئے انعام خداوندی کا تذکرہ ہے۔ مصنف کا موقف ہے کہ بدھ مذہب میں بھی بے لوث صدقے اور خیرات کے لئے بے حساب انعام کا عقیدہ ہے۔ ہر چند کہ یہ عطیہ مادّی قدر و قیمت کے لحاظ سے معمولی ہی ہو۔ (ص ۱۹۱)۔

۷) سورہ سبا (آیت ۴۳) میں آباء و اجداد کے دین کی اندھی تقلید کی مذمت کی گئی ہے۔ مصنف کی رائے میں گوتم بدھ کا پیغام بھی اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔ مصنف نے ابراہیمؑ اور آنحضرتؐ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس کا اعادہ کیا ہے کہ انھوں نے باطل آبائی روایات کے خلاف کامیاب جہاد کیا اور آبائی دین کے بجائے براہ راست مشاہدے پر مبنی حقیقت کے ادراک کو فروغ دیا۔ (ص ۱۹۱)۔

۸) سورہ الفیل کے تاریخی سیاق و سباق پر گفتگو کرتے ہوئے مصنف نے یہ اشارہ کیا ہے کہ بدھ مذہبی روایات اور صحائف میں تاریخی واقعات کا تذکرہ اور ان سے دینی، روحانی اور اخلاقی سبق کا استنباط اور استناد ایک معروف منہج ہے۔

اسلام اور قرآن مجید کی حقانیت کے اعتراف اور اسلام اور بدھ مذہب میں متفقہ اقدار کی نشاندہی کے لئے مصنف مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس نوع کے بین المذہبی اشتراک اور اتحاد کو فروغ دینا ہمارا فرض ہے اور اسی میں انسانیت کی فلاح ہے۔ ایسا بین المذہبی مکالمہ جس سے عقائد پر آنچ نہ آتی ہو اور بہتر باہمی تعلقات کی راہ ہموار ہو بلاشبہ محمود بھی ہے اور مزید توجہ کا طالب بھی۔

آخر میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ صدیوں کو محیط استشراق کی تاریخ میں قرآن فہمی کی ایسی درخشاں مثال شاذ ہی ملتی ہے۔

☆

عبدالرحیم قدوائی

انگریزی تراجمِ قرآن مجید: جدید رجحانات کے تناظر میں

[اصلاً یہ مقالہ پروفیسر مجیب میموریل لکچر پر مشتمل ہے جسے مصنف نے 30/اکتوبر 2013 کو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں پیش کیا]

بظاہر یہ امر بڑا خوش کن ہے کہ ۱۹۰۰ء میں صرف 3 کے مقابلے میں آج 79 مکمل انگریزی تراجم دستیاب ہیں البتہ یہ فہرست چند اور اہم حقائق کی عکاس ہے:

☆ اس علمی محاذ پر بتدریج مستشرقین اور قادیانی حضرات کی پسپائی اور مسلمان اہل قلم کی پیش قدمی بلکہ غلبہ ثابت ہوتا ہے۔

☆ مسلمان مترجمین کی صف میں علماء کرام کی گھٹتی ہوئی اور جدید تعلیم یافتہ Professional مسلمان اہل قلم کی بڑھتی ہوئی تعداد دور رس نتائج کی حامل ہے۔

☆ ان مسلمان مترجمین کی اکثریت کا تعلق ہند و پاک ہے لیکن اسی کے پہلو بہ پہلو 6 نو مسلم حضرات کے علاوہ بنگلہ دیش، ایران، افغانستان، سعودی عرب، مصر، لبنان، ماریشس اور بالخصوص ترکی کے مسلمان فضلاء کی نمائندگی خوش آئند ہے۔

☆ انگریزی تراجم کی یہ کثیر تعداد شاہد ہے کہ مسلمانانِ عالم میں دینی مقصد کے لئے انگریزی زبان کا استعمال روز افزوں ہے کہ ان تراجم کے تقریباً ایک ہزار ایڈیشن لاکھوں کی تعداد میں طبع اور فروخت ہو چکے ہیں۔ اسلامی مطبوعات کے

ذخیرے کے اعتبار سے یہ ''فرنگی/ ولایتی'' زبان اب بڑی حد تک اردو اور فارسی کی ہم سر ہے۔ کہاں ایک دور وہ تھا جب انگریزی سیکھنے کا درس دینے پر سرسیدؒ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور کہاں آج صورت حال یہ ہے کہ برضا و رغبت اور بلا اکراہ دینی کتابیں بشمول تراجم قرآن مجید کثرت سے انگریزی میں ہیں۔ یہ تہذیبی اور تمدنی تقلیب تاریخ کے جبر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اسی کے ساتھ ہی بقول علامہ اقبال اس حقیقت کا بھی غماز ہے ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

ان ابتدائی معروضات کے بعد ان انگریزی تراجم کے بعض رجحانات کا تجزیہ پیش ہے:

۱۔ مستشرقین کے تراجم کی روایت اور اس کے خلاف ردعمل:

انگریزی تراجم کی تاریخ دراصل مستشرقین کی قائم کردہ روایت، صدیوں تک اس کے غلبہ اور پھر اس کے تعصبات کی تردید کے طور پر مسلمان اہل قلم کے علمی ردعمل کی تاریخ ہے۔ استشراق (Orientalism) کے مالہٗ و ماعلیہ پر گفتگو کا یہاں مطلق موقع نہیں کہ موضوع بذاتِ خود ایک طویل محاضرہ کا طالب ہے۔ البتہ تراجم قرآن مجید کے ضمن میں یہ صراحت ضروری ہے کہ کُل سات مستشرق مترجمین میں سے چار براہ راست کلیسا (Church) کے مختلف مناصب پر فائز تھے، اور خود اُن کے اپنے بیان کے مطابق ان کا اصل مقصد قارئین کو قرآن مجید/ اسلام کے جعلی مذہب ہونے سے آگاہ کرنا ہے۔ ان کی تصانیف میں جو غلط بیانیاں، تعصبات اور فتنہ پردازی ملتی ہیں ان کے ردعمل کے طور پر اوائل بیسویں صدی کے برطانوی ہندوستان میں ابوالفضل (۱۹۱۱ء)، حیرت دہلوی (۱۹۱۶ء) اور غلام سرور (۱۹۲۰ء) نے اپنے تراجم پیش کیے۔ یہ تراجم یقیناً انگریزی زبان و بیان اور حسن طباعت کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور نتیجۃً یہ حضرات آج غیر معروف اور مجہول ہیں لیکن ان کی جرأت ایمانی اور جذبۂ صادق قابل داد ہے بلکہ اسے

ان کے حسن نیت اور اخلاص کی برکت کہیے کہ انتہائی نامساعد ماحول میں ان کا لگایا ہوا پودا آج ایک شجر سایہ دار ہے اور اس کے برگ و بار خیرہ کن ہیں۔ یہ نکتہ بھی کچھ اہم نہیں کہ اس میدان میں مسلمان اہل قلم کے عمل دخل کے بعد مستشرقین کے نئے تراجم گویا معدوم ہوگئے ہیں۔ غالباً مستشرقین نے اس حقیقت کا ادراک کرلیا ہے کہ انگریزی سے براہ راست اور بخوبی واقف ہونے کے باعث اب مسلمان ان کے مسخ شدہ تراجم کے دجل و فریب کا شکار نہ ہوں گے۔ غرض یہ کہ مسلمان اہل قلم نے انگریزی ترجمۂ قرآن مجید کی جو داغ بیل ایک دفاعی اور جوابی کاروائی کے طور پر ڈالی تھی وہ نصرت الٰہی سے اب ایک مثبت، وقیع علمی روایت کے مقام پر فائز ہے۔

۲۔ قادیانی تراجم کا فتنہ:

اوائل بیسویں صدی کے برطانوی ہند میں قادیانیت کا فتنہ نمودار ہوا اور اس کے پُر جوش منادوں نے یکے بعد دیگرے 7 انگریزی تراجم پیش کیے اور ۱۹۵۰ء کے عشرے تک یوروپ اور افریقہ میں بظاہر اسلامی ناموں سے منسوب یہ تراجم التباس پیدا کرتے رہے۔ دیارِ مغرب کی جانب مسلمانوں کی معاشی ہجرت، انگریزی خواں مسلمانوں میں عام بیداری اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کے فیصلے وغیرہ کے باعث یہ فتنہ اب بڑی حد تک کمزور ہو چکا ہے۔

1971 میں ظفر اللہ خاں کے ترجمے کے بعد کوئی نیا قادیانی ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ طویل وقفے کے بعد 2005 میں امۃ الرحمٰن عمر اور عبد المنان عمر نے حکیم نور الدین (م1914) کی غیر مطبوعہ تفسیری یادداشتوں پر مبنی ایک نیا ترجمہ اور تفسیر مرتب کر کے شائع کیا ہے اور سرورق اور دیباچے میں مصنف اور مرتبین کے قادیانی ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے البتہ اپنے مندرجات کے لحاظ سے یہ قادیانی عقائد کا شارح اور ترجمان ہے۔ غرضیکہ مسلمان قارئین کو اس علمی محاذ پر بدستور محتاط رہنے کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان ناموں سے منسوب یہ تصانیف باطل عقائد کی ترویج اسلام کے نام پر نہ کریں۔

۳۔ متقدمین کی تفاسیر کی طلب:

انگریزی خواں مسلمان قارئین کا ایک طبقہ صرف سلف کے تفسیری سرمایے کے انگریزی ترجمے کا شائق ہے اس کی نمایاں مثال دار السلام ریاض کے زیر اہتمام ابن کثیرؒ کی تفسیر کا انگریزی ترجمہ ہے، اسی ادارے کا ایک انتہائی مقبول انگریزی ترجمہ The Noble Quran اصلاً طبریؒ، قرطبی اور ابن کثیر کی تفاسیر پر مبنی ہے۔ بنگلور ہندوستان سے سید اقبال ظہیر کی نامکمل تفسیر اشراق المعانی کا انگریزی ترجمہ بھی اسی رجحان کا مظہر ہے کہ یہ چنندہ مفسرین کی آراء کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ ان متقدمین کی جلالت علمی میں کوئی کلام نہیں اور ایسی تصانیف کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے، البتہ اس بدیہی حقیقت سے مفر نہیں کہ زمانے اور احوال و ظروف کی ایسی گہری خلیج محض عقیدت اور تبرک کے عصا کے سہارے نہیں پار کی جاسکتی اور اس نوع کی انگریزی تفاسیر آج کے قارئین کی فکری رہنمائی کماحقہٗ نہیں کرسکتیں۔ ان میں مذکور بیشتر مباحث کا آج کے حالات اور مسائل سے کوئی سروکار نہیں۔

۴۔ نومسلم فضلاء کی طبع آزمائی:

مسلمان مترجمین کی فہرست میں نومسلم اہل قلم کی شمولیت قرآن مجید سے ان کی قلبی شیفتگی کے علاوہ اس حقیقت کی بھی چغلی کھاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تراجم سے مطمئن نہیں کہ ان کی ذہنی اور فکری نشو و نما ایک بالکل ہی جدا ماحول میں ہوئی اور جس طرز زندگی اور جن فکری سانچوں کے وہ عادی رہے وہ ہماری میراث سے خاصے مختلف ہیں۔ ان نومسلم حضرات نے دین حق کا انتخاب اپنی جد و جہد اور جستجو سے کیا لہٰذا اسلام کی افہام اور تفہیم کے باب میں ان کا قدرے مختلف انداز کچھ ایسا عجب نہیں۔ ممتاز نومسلم محمد اسد کے ہاں اعتزال اور عقلیت پسندی کا رجحان اسلام کی روایتی تعبیر و تشریح سے ان کے شدید اختلاف کا مظہر ہے اسی طرح عبدالحق اور عائشہ بیولی کے ہاں تصوف پر اصرار بھی ان کی روایتی اسلام سے عدم تعلق کا آئینہ دار ہے۔ ٹی بی اروِنگ، تکیی امریکی اور نورالدین ڈرکی نے بھی روایتی

تناظر سے گریز کیا ہے۔ یہ رجحان ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ نومسلم حضرات کو کس نہج پر اسلام سے روشناس کیا جائے، ان کو اسلام کی گمراہ کن یا غیر صحت مند تعبیر و تشریح سے کیسے محفوظ رکھا جائے، ان کی ذہنی اور علمی سطح کے مطابق اسلام کی تعبیر اور تشریح کو کس طرح یقینی بنایا جائے؟ ان سوالات پر غور و فکر اور ان کے شافی جواب آج کا ایک اہم مسئلہ ہیں۔ دیار مغرب میں نومسلم حضرات کی روز افزوں تعداد کے پیش نظر اس نئے علمی اور دینی محاذ کا ادراک آج علماء کرام کی اہم اور نازک ذمہ داری ہے۔

۵۔ تجدد زدگی:

اوائل بیسویں صدی میں جب مسلمان مترجمین منظر عام پر آئے تو یہ وہ دور تھا جب کہ مغربیت، عقلیت پرستی، تجدد اور سیکولرزم (غیر مذہبی تصور حیات) کا غلغلہ چہار سو تھا۔ مرعوبیت اور احساس کمتری کے زیر اثر چند مسلمان مترجمین کے ہاں معذرت خواہانہ اور تجدد زدہ تاویل کا رنگ ہے مثلاً عبداللہ یوسف علی، محمد اسد، احمد علی کے تفسیری حواشی میں امور غیب، معجزات، تعدد ازدواج، جہاد وغیرہ کے بارے میں۔ احوال اور ظروف کی رعایت یقیناً محمود ہے لیکن عقائد کے باب میں رسوخ اور صلابت اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ تعبیر و تشریح میں اختلاف رائے فطری بھی ہے اور پسندیدہ بھی کہ اس سے ذہن اور قلب کو جودت ملتی ہے اور اجتہاد کے نئے مظہر سامنے آتے ہیں۔ صحت مند اختلاف رائے اور تعبیر کی کثرت کی کیفیت جسم میں نئے خون کے مرادف ہے کہ اس کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔ جمود صرف جمادات کو زیبا ہے انسان کو نہیں۔ البتہ اس میدان میں اعتدال، توازن اور حکمت لازم ہیں ورنہ اجتہاد کے نام پر نصوص قرآنی، تعامل نبوی اور اجماع امت کی کوئی وقعت نہیں باقی رہتی۔ حالات و ظروف سے مغلوب اور مرعوب ہو کر قرآنی احکام کی ایسی تاویل جس کی سند نہ سیرۃ طیبہ سے ملے نہ معقول دلائل سے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ذیل میں مشہور نومسلم مترجم محمد اسد کے چند تفردات کا ذکر ہے جن سے مذکورہ بالا تشویش ناک رجحان کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ تجدد زدہ اور

معذرت خواہانہ طرز فکر اور نام نہاد عقلیت پرستی کے نقیب اور منا د نظر آتے ہیں۔ معجزات کے انکار اور امور غیب کی غیر روایتی تاویل کے لحاظ سے وہ معتزلی مفسر قرآن مجید زمخشری اور مصری صاحب قلم محمد عبدہ کے متبع کی مانند ہیں۔ اہل جمہور کے عقائد سے ان کے انحراف کی چند مثالیں یہ ہیں:

☆ سورہ انشراح میں وارد لفظ ''وزر'' کو اپنے حاشیہ میں اسد نے رسول اکرم ﷺ کی غلطیوں سے تعبیر کیا ہے، اس پر ستم مستزاد کہ ان ''غلطیوں'' کی کوئی نشاندہی بھی نہیں کی ہے۔ رسول اکرم کو خود قرآن مجید نے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے اس ضمن میں یہ شدید بے احتیاطی قابل گرفت ہے۔

☆ وہ جنات کو نیک و بد نفسانی محرکات کا ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر انھوں نے جنات کا ترجمہ ''غیر مرئی قوتوں (الناس ۱۱۴:۶) اور حتی کہ ''اجنبی اقوام'' (الاحقاف ۴۶:۲۹) اور (الجن ۷۲:۱) کے طور پر کیا ہے جو صریح نص قرآنی کے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

☆ وہ اسراء اور معراج کو صرف ایک متصوفانہ تجربہ گردانتے ہیں جو محض روحانی تھا۔ علماء کے اعتراضات کے باوصف وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ کوئی جسمانی، حسی، مادی واقعہ یا سفر پیش نہیں آیا تھا بلکہ قرآن نے تمثیلی انداز میں ایک روحانی تجربہ بیان کیا ہے۔

☆ وہ قرآن مجید میں مذکور ان معجزات کے منکر ہیں کہ عیسیٰؑ نے گہوارے میں کلام کیا یا ابراہیمؑ آگ سے بحفاظت نکل آئے۔ اسی طرح وہ لقمان، خضر اور ذوالقرنین کو تاریخی شخصیات تسلیم نہیں کرتے ان کی دانست میں قرآن مجید کا مقصود صرف ایمان اور اخلاق کا درس ہے نہ کہ ان شخصیات کا تذکرہ۔

☆ وہ نسخ کے تصور کو مسترد کرتے ہیں اور یہ طفلانہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و

تعالیٰ سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنا فرمان تبدیل کر لے۔

☆ صنفی امور بالخصوص حجاب اور سینہ اور سر ڈھانکنے وغیرہ کے احکام قرآنی کے بارے میں ان کے شدید ذہنی تحفظات ہیں ان کی رائے میں ان امور کا تعلق ہر دور کے بدلتے ہوئے تمدن اور روایات سے ہے جو آج معیوب ہے وہ کل مستحسن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس باب میں متن قرآن کے ظاہری/لغوی معنی پر اصرار مناسب نہیں۔ سورہ النور میں وارد صنفی احکام کو بھی انھوں نے اسی تجدد زدہ رنگ میں پیش کیا ہے۔

اپنی بعض غیر معمولی صفات کے باوصف یہ ترجمہ وتفسیر قرآن اہل جمہور کے لئے قابل قبول نہیں۔ گو کہ جرمن صاحب قلم مراد ہیوف مین ان کے غالی معتقد ہیں لیکن انھوں نے بھی اسد کی اس فکری کجی کا اعتراف کیا ہے[۱]۔

مختصراً تجدد زدگی کا یہ رجحان قارئین کو قرآن مجید کے پیغام سے بُعد کا باعث ہے

۶۔ سائنس پر مرتکز مطالعات:

انسانی تاریخ بالخصوص بیسویں صدی انکشاف اور اکتشاف سے عبارت ہے۔ سائنس کی ترقی اسلام کے نقطۂ نظر سے رحمت الٰہی کا مظہر ہے۔ قرآن مجید نے بلاشبہ معروضی یا سائنسی مزاج، طرز استدلال اور طرز فکر، مشاہدے، تفکر اور تعقل کو فروغ دیا اور اسی کی برکت سے قرون وسطیٰ کی مسلم تاریخ سائنس کا زریں دور ہے البتہ اس بدیہی حقیقت کا اعادہ ضروری ہے کہ قرآن مجید اصلاً کتاب ہدایت ہے، سائنسی حقائق کی تشریح اور توضیح اس کا مقصود سرے سے نہیں ہے، مزید برآں قرآن مجید کے اولین مخاطب یعنی ساتویں صدی کے ناخواندہ سامعین کے لئے سائنسی حقائق کا بیان بے معنی اور بے محل ہوتا۔ کلام اللہ ہونے کے باعث ارشادات قرآنی سائنسی حقائق سے نہ متصادم ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ البتہ اس باب میں اعتدال اور توازن لازم ہے کہ آج کے ہر معروف سائنسی نظریے کو آیات قرآنی کا مصداق نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ ان کا مقصود

انسان کے دل و دماغ کی تطہیر اور تزکیہ ہے۔ بعض غیر معروف مسلمان مترجمین مثلاً خادم رحمٰن نوری، عرفات اور زیدان کے ہاں یہ تکلف پایا جاتا ہے کہ تقریباً ہر سائنسی خیال کا استنباط کسی نہ کسی آیت قرآنی سے کیا جائے[۲]۔ چونکہ ان مترجمین کا تعلق علماء کے گروہ سے نہیں ہے، ان کے ہاں فکری بے اعتدالی کچھ ایسی بعید از امکان نہیں۔ زیادہ حیرت انگیز مثال البتہ معاصر ممتاز پاکستانی عالم دین علامہ طاہر القادری کی ہے۔ موصوف بریلوی مسلک پر کاربند ہیں اور روایتی شیخ طریقت کے طور پر معروف ہیں اس کے باوصف ان کے ترجمہ اور تفسیر عرفان القرآن (2006) کے انگریزی قالب میں جابجا سائنس اور قرآن مجید کے مابین مماثلت تلاش کرنے ور دونوں میں تطابق ثابت کرنے کی رائیگاں سعی ملتی ہے۔ ان کی رائے میں بادی حرکیات (Aerodynamics)، کشش ثقل (Gravitation)، نوری سال (light year)، مقناطیسی قطب (Magnetic Poles)، طبیعات کے قوانین، جوہری طبیعات، نظام شمسی میں پیہم توسیع، نظریۂ اضافت (Theory of Relativity) اور جوہری ذرات جیسے دقیق، حالیہ سائنسی نظریات قرآن مجید میں مذکور ہیں[۳]۔ سائنس سے حد درجے مرعوبیت اور قرآن مجید کو اس کے مصداق ٹھہرانے کا یہ رجحان قرآن مجید کی عظمت کے شایان شان نہیں۔

۷۔ مسلکی عصبیت:

مسلکی اختلاف بلکہ عصبیت ہماری ملّی تاریخ کا ایک سیاہ، شرمناک باب ہے۔ عبرت کا مقام ہے کہ اس عفریت سے تراجم قرآن مجید تک محفوظ نہیں۔ شیعہ، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، سلفی اور تحریکی غرضیکہ ہر مسلک کا ترجمان اپنے مسلک کی حقانیت پر اصرار کے ساتھ ساتھ دیگر مسالک کی تغلیط اور تردید میں ملوث نظر آتا ہے۔ اپنے مسلک کا عالمانہ وقار کے ساتھ اثبات میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن مخالفین کی تنقیص اور تکفیر مزید فتنوں کا باب وا کرتی ہیں۔ ناواقف مسلمان قارئین بالخصوص نومسلم حضرات کے کے لئے یہ مسلکی مزعومات انتشار فکری کا باعث بنتے ہیں کیونکہ ان تراجم میں اپنے مرغوب برانڈ کے اسلام کو عین حق ثابت کیا جاتا ہے۔

عالم اسلام کی موجودہ سیاسی صورتحال بلکہ انتشار اور افتراق کے پس منظر میں مسلکی اختلاف کو ہوا دینے والے تمام عوامل کی بیخ کنی لازمی ہے۔ اگر مسلمانوں کے مابین باہمی نفرت اور تشدد کا درس دینے کے لئے قرآن مجید کی رو سے قابل گردن زدنی قرار دیا جائے تو یہ عمل اور شنیع ہو جاتا ہے اور اس کے فوری تدارک کے لئے عملی قدم اٹھائے جائیں۔ نفرت اور تشدد کے لئے صرف مسلمانوں ہی کی تخصیص نہیں کلام اللہ کو پُر امن غیر مسلموں کے خلاف تشدد برپا کرنے کے قبیح فعل کے مرتکب پر بھی پابندی اتنی ہی ضروری ہے۔ اگر دل و دماغ میں تشدد ایک بار رچ بس گیا اور اسے سند کسی نام نہاد عالم دین کے فتوی کی مل گئی تو معاشرے میں لاقانونیت، فتنے اور قتل وخون کا بازار گرم ہونا یقینی ہے۔ یہ ایک انتہائی تلخ حقیقت ہے کہ آج غیر مسلموں کے دل و دماغ میں اسلام/مسلمان اور تشدد ہم معنیٰ بن گئے ہیں اس میں اسلام دشمن عناصر کا کردار ایک بدیہی حقیقت ہے لیکن اس افسانے میں رنگ بھرنے اور اسے تواتر سے دہراتے رہنے کے لئے بدقسمتی سے ہم بھی ایک حد تک ذمہ دار ہیں۔ غیروں کے ہاتھ مسلمان مہلوکین کی تعداد خود مسلمانوں کے باہمی مناقشوں کا شکار مہلوکین کی تعداد سے کم نہیں بلکہ کہیں زیادہ ہے۔ اس شرمناک معاملے کا سوہان روح پہلو یہ ہے کہ اس باہمی جدال وقتال کے لئے جواز اور فتاویٰ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے برآمد کرنے کا ناپاک رواج عام ہوتا جارہا ہے جو امت مسلمہ کے لئے کے لئے بالعموم اور علماء اور اہل فکر حضرات کے لئے بالخصوص ایک شدید خطرے اور فتنے کی علامت ہے۔ اسلام کو تشدد سے منسلک کرنے کا یہ رجحان اس دور کا فتنہ عظیم ہے۔ اس رجحان پر فوری طور پر قدغن عائد کرنا اسلام کے حق میں ایک بڑا احسان ہوگا۔

۸۔ تفسیر بالرائے:

حالات اور مصالح کے پیش نظر قرآن مجید کے ابدی پیغام سے ہدایت الٰہی کا استنباط ہر صاحب ایمان مفکر اور مصنف کا حق بھی ہے اور دینی فریضہ بھی۔ البتہ بعض نام نہاد مسلمان مترجمین کے ہاں خود رائی کے لے اتنی شدید ہے کہ سیرۃ طیبہ، احادیث صحیحہ، سنت مبارکہ اور صحابہ کرام کے تعامل تک کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہوئے محض اپنی ذاتی آراء کو مسلط کرنے کی

افسوس ناک مثال ملتی ہے۔ ان کے صبر آزما مطالعہ کے بعد تفسیر بالرائے کے خلاف احادیث میں وارد وعیدوں اور غیر محتاط تفاسیر اور تراجم کے خلاف بعض علماء کے شدید تحفظات کی حقانیت پر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس قابل نفریں رویے کے علم بردار رشاد خلیفہ، ایم. اے. کے. پٹھان اور ادیب یکسل وغیرہ ہیں۔[۴]

۹۔ سرقہ اور علمی خیانت:

تراجم قرآن مجید کے ضمن میں ایک بظاہر نا قابل یقین رجحان سرقے کا ہے۔ ایم. ایچ. شاکر، ایم. اے. زید، نہابو، احمد اور دنیا زیدان، علی اوزک اور ایک حد تک لیلی بختیار کے ہاں پیش رو انگریزی مترجمین بالخصوص عبداللہ یوسف علی اور پکتھال کے تراجم کا سرقہ ملتا ہے۔[۵] یہ علمی خیانت کلام الٰہی کے حوالے سے اور زیادہ شنیع ہے۔

۱۰۔ پس از مرگ نظر ثانی تراجم:

انگریزی تراجم کے اس میدان میں یہ عجوبہ بھی قابل ذکر ہے کہ اصل مترجم کے انتقال کے ۵۰ سال بعد اس ترجمے اور حواشی کو قلم زد کرتے ہوئے اسی سے منسوب ایک نیا، نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔ مثلاً عبداللہ یوسف علی کے اصل ۱۹۳۷ء کے ایڈیشن اور وزارت مذہبی امور سعودی عرب اور امانہ کارپوریشن امریکہ کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں کوئی مناسبت نہیں۔ جراحی اور بنیادی تبدیلی کا یہی عمل پکتھال، شیر علی اور ایس وی میر احمد علی کے نظر ثانی ایڈیشنوں میں بھی جلوہ گر ہے۔[۶] کسی مصنف کی اصل آراء کو مسخ کر کے پیش کرنا اس مصنف کے حق میں ظلم عظیم ہے اور علمی روایت کے عین منافی۔

۱۱۔ ترجمہ در ترجمہ کی روایت:

دیار مغرب میں گزشتہ نصف صدی سے برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے لاکھوں معاشی مہاجرین کے قیام کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ان مہاجرین کے ہاں اپنی نوجوان نسلوں کی دینی تعلیم اور تربیت کے لئے اپنے دور کے تراجم اور تصانیف کو مجرب نسخے کے طور پر

استعمال کیا جارہا ہے۔اس کی نمایاں مثالیں مغرب میں حال میں مولانا مودودی، مفتی محمد شفیع، علامہ احمد رضا خاں بریلوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ کے اردو تراجم کے تازہ انگریزی قالب ہیں۔آج سے 70-60 سال قبل کی ان تصانیف کا آج کے مغرب کے طرز زندگی، معاملات اور معاشرت سے کوئی سروکار نہیں لہٰذا ان کی افادیت محدود اور مشکوک ہے۔محض عقیدت مندی آج کے سلگتے ہوئے سوالوں کا جواب نہیں فراہم کرسکتی۔ تبرک کے حصول کا یہ رجحان ایک حد تک مضحکہ خیز ہے۔

۱۲۔ تانیثی (Feminist) تراجم:

آزادیٔ نسواں اور یکساں صنفی حقوق سے متعلق تصورات اور مطالبات آج کے مسلم معاشرے میں بھی جاگزیں ہوچکے ہیں۔تانیثی تناظر میں تصنیف بعض تراجم میں فقہاء کی آراء بلکہ احکام قرآنی سے روگردانی ایک تازہ ترین رجحان ہے۔سورۂ النساء آیت 34 میں مذکور نافرمان بیوی کی سرزنش اور ''ضرب'' کے شاذ معنی احمد علی، لیلی بختیار، یکسل اور بتول کے حالیہ تراجم میں در آئے ہیں۔ یہ رجحان دوررس معاشرتی تبدیلی اور یکساں صنفی حقوق کی ایک دستک ہے۔علماء کرام پر لازم ہے کہ وہ اس سیلاب بلا کی فکر کریں۔

مختصراً انگریزی تراجم کے حالیہ رجحانات اہم بھی ہیں، خوش آئند بھی اور غور طلب بھی۔

☆☆☆

حواشی اور حوالے

۱۔ Murad Hoffmann, "Muhammad Asad : Europe's Gift to Islam", *Islamic Studies* 39:2 (2000), pp. 233-248

۲۔ Khadim Rahmani Nuri, *The Running Commentary of the Holy Quran*, Shillong, India, Sufi Hamsaya, 1964.
Q. Arafat, *The Quran : The Conclusive Word of God*, Leicester, UK, Arafat Islamic Publications, 1991
Ahmad Zidan and Dina Zidan, *Translation of the Glorious Quran*, London, Ahmad Zidan, 1991.

۳۔ Muhammad Tahirul Qadri, *The Glorious Quran*, London, Minhajul Quran Publications, 2011.

۴۔ Rashad Khalifa, *The Quran : The Final Scripture*, Tucson, Arizona, USA, The Spirit of Truth, 1978.
M.A.K. Pathan, *The Meaning of the Quran*, Pune, India Crescent Publications, 1993.
Edip Yuksel, et al., *The Quran : A Reformist Translation*, USA, Brainbow Press, 2007

۵۔ M.Y.Zayid, *The Quran*,Beirut, Lebanon,Dar al-Choura,Mushaf Publications, 1987.
Houssein Nahaboo, *The Holy Quran*, Pailles, Mauritius, Mushaf Publications, 1987.
Ozek Ali, et al., *The Holy Quran*, Istanbul, Turkey, Ilmi Nesriyat, 1992.
Laleh Bakhtiar, *The Sublime Quran*, Chicago, U.S. Qazi Publications, 2007.

۶۔ Arafat K. El-Ashi, *Pickthall's Meaning of the Glorious Quran : Revised and Edited in Modern Standard English*, Beltsville, USA, Amana, 1996.
Sher Ali, *The Holy Quran, 1997*
S.V. Mir Ahmad Ali, *The Holy Quran*, Elmhurst, New York, Tahrike Tarsile Quran, 1995.

عبدالرحیم قدوائی

فہرست انگریزی تراجم قرآن مجید

(زمانی ترتیب کے لحاظ سے)

سن اشاعت	مترجم کا نام	نمبر شمار
1649	Alexander Ross الیگزینڈر راس	۱۔
1734	George Sale جارج سیل	۲۔
1861	J.M. Rodwell جے.ایم.راڈویل	۳۔
1880	E.H. Palmer ای.ایچ. پالمر	۴۔
1905	Mohammad Abdul Hakim Khan محمد عبدالحکیم خاں	۵۔
1911	Abul Fazl ابوالفضل	۶۔
1916	Hairat Dihlawi حیرت دہلوی	۷۔
1917	Muhammad Ali محمد علی	۸۔
1920	Ghulam Sarwar غلام سرور	۹۔
1930	Muhammad Marmaduke Pickthall محمد مارما ڈیوک پکتھال	۱۰۔
1934 - 1937	Abdullah Yusuf Ali عبداللہ یوسف علی	۱۱۔

۱۲۔	رچرڈ بیل Richard Bell	1937
۱۳۔	مرزا بشیر الدین محمود Mirza Bashiruddin Mahmud	1947 - 1963
۱۴۔	شیر علی Sher Ali	1955
۱۵۔	اے۔ جے۔ آربیری A.J.Arberry	1955
۱۶۔	نسیم جوزف داؤد Nessim Joseph Dawood	1956
۱۷۔	عبدالماجد دریابادی Abdul Majid Daryabadi	1957
۱۸۔	خادم رحمانی نوری Khadim Rahmani Nuri	1964
۱۹۔	ایس۔ وی۔ میر احمد علی S.V. Mir Ahmad Ali	1964
۲۰۔	عبدالرحمٰن طارق اور ضیاء الدین گیلانی A.R.Tariq & Ziauddin Gilani	1966
۲۱۔	سید ابوالاعلیٰ مودودی Syed Abul Ala Mawdudi	1967 - 1988
۲۲۔	ایم۔ ایچ۔ شاکر M.H. Shakir	1968
۲۳۔	ملک غلام فرید Malik Ghulam Farid	1969
۲۴۔	سید عبداللطیف Syed Abdul Latif	1969
۲۵۔	ہاشم امیر علی Hashim Amir Ali	1970
۲۶۔	ظفر اللہ خاں Zafrulla Khan	1971
۲۷۔	پیر صلاح الدین Pir Salahuddin	1971
۲۸۔	تقی الدین الہلالی اور محمد محسن خاں Taqui Uddin Al-Hilali & Muhmmad Muhsin Khan	1978

1978	Rashad Khalifa رشاد خلیفہ	۲۹۔
1979	Mufassir Muhammad Ahmad مفسر محمد احمد	۳۰۔
1980	Muhammad Asad محمد اسد	۳۱۔
1980	Mahmud Yusuf Zayid محمود یوسف زید	۳۲۔
1982	Shaykh Muhammad Sarwar شیخ محمد سرور	۳۳۔
1984	Ahmad Ali احمد علی	۳۴۔
1985	T.B. Irving ٹی.بی.اروِنگ	۳۵۔
1986	Mohammad Khatib محمد خطیب	۳۶۔
1987	Houssein Nahaboo حسین نہابو	۳۷۔
1988	Ahmad Raza Khan Barelvi احمد رضا خاں بریلوی	۳۸۔
1990	Abdul Majeed Auolakh عبدالمجید اولاکھ	۳۹۔
1991	Q. Arafat کیو.عرفات	۴۰۔
1991	Mahmoodul Hasan & محمود الحسن اور شبیر احمد عثمانی Shabbir Ahmad Usmani	۴۱۔
1991	Ahmad Zidan & Dina احمد زیدان اور دینا زیدان Zidan	۴۲۔
1992	Ali Ozek et al علی اوزاک وغیرہم	۴۳۔
1993	Mir Aneesuddin میر انیس الدین	۴۴۔
1993	M.A.K. Pathan ایم.اے.کے.پٹھان	۴۵۔

1994	Mohammad Ahmad محمد احمد	۴۶۔
1996	Majid Fakhry ماجد فخری	۴۷۔
1997	M. Farooqu-i Azam Malik محمد فاروق اعظم ملک	۴۸۔
1997	Saheeh International صحیح انٹرنیشنل	۴۹۔
1997	Muhammad Baqir Behbudi محمد باقر بہبودی	۵۰۔
1999	Abdal Haqq Bewley & Aisha Bewley عبدالحق بیولی اور عائشہ بیولی	۵۱۔
2000	Zohurul Hoque ظہور الحق	۵۲۔
2000	Mufti Muhammad Shafi مفتی محمد شفیع	۵۳۔
2000	Translation Committee ٹرانسلیشن کمیٹی	۵۴۔
2001	Afzalur Rahman افضال الرحمٰن	۵۵۔
2002	M.J. Gohari ایم۔جے۔گوہری	۵۶۔
2003	Shabbir Ahmed شبیر احمد	۵۷۔
2003	Nooruddeen Durkee نورالدین ڈرکی	۵۸۔
2004	M.A.S. Abdel Haleem ایم۔اے۔ایس۔عبدالحلیم	۵۹۔
2004	Ali Quli Qarai علی قلی قارائی	۶۰۔
2005	Amatul Rahman Omar & Abdul Mannan Omar امۃ الرحمٰن عمر اور عبدالمنان عمر	۶۱۔
2005	Syed Vickar Ahmed سید وقار احمد	۶۲۔

2006	Muhammad Tahirul Qadri محمد طاہر القادری	۶۳۔
2006	Tahereh Saffarzadeh طاہرہ سفرزادہ	۶۴۔
2006	Ali Unal علی انال	۶۵۔
2007	Laleh Bakhtiar لالہ بختیار	۶۶۔
2007	Edip Yuksel et al ایدیپ یکسل وغیرہم	۶۷۔
2007	Mufti Afzal Hoosen Elias مفتی افضال حسین الیاس	۶۸۔
2007	Alan Jones ایلین جونز	۶۹۔
2007	Ahmad Zaki Hammad احمد ذکی حماد	۷۰۔
2008	Muhammad Mahmud Ghali محمد محمود غالی	۷۱۔
2008	Tarif Khalidi طریف خالدی	۷۲۔
2009	Wahiduddin Khan وحید الدین خاں	۷۳۔
2009	Mufti Taqi Usmani مفتی تقی عثمانی	۷۴۔
2010	Jainul Abiden زین العابدین	۷۵۔
2010	Muhammad Sharif Chowdhry محمد شریف چودھری	۷۶۔
2010	Yahya Emerick یحیی امریک	۷۷۔
2011	Assad Nimer Busool اسد نمر بسول	۷۸۔
2012	Talal Itani طلال اطانی	۷۹۔

سیرت طیبہ پر مستشرقین کی تصانیف

ذہنی طور پر مفتوح اور مغلوب قومیں یا تو فاتح اقوام کی نقالی کرنا اپنے لئے باعث فخر و سعادت سمجھنے لگتی ہیں یا پھر ان سے دلی نفرت کرنا اور کینہ پروری روا رکھنا اپنا مقدس فریضہ سمجھ بیٹھتی ہیں۔ نفرت اور بغض وعناد سے عبارت اسی اندازِ فکر کو مستشرقین اپنی زبان میں Xenophobia کہتے ہیں۔ اسلام اور سیرت طیبہ سے متعلق اہل مغرب کا رویہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اسی نفرت و عداوت کا آئینہ دار ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں پسپا ہونے پر ان میں اسلام کے خلاف پیدا ہوئی تھی۔

احساس برتری کے زعم میں مست اور خود پسندی کے نشے میں غرق کلیسا مشرق کے افق پر پھٹتی ہوئی پو کو نہ دیکھ سکا۔ وہ خواب غفلت سے اس وقت بیدار ہوا جب آفتاب اسلام مشرق کو منور کرنے کے بعد انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مغرب پر بھی ضیاء پاشی کرنے لگا۔ اس آفتاب میں روشنی ایسی خیرہ کردینے والی تھی کہ کلیسا اس کو برداشت نہ کرسکا، اسے اپنے دفاع اور بقاء کی صرف یہی صورت سوجھی کہ اس آفتاب پر پردہ ڈالا جائے اور اہل مغرب یہ فریضہ پورے تاریخی تسلسل اور تواتر کے ساتھ آج بھی پوری طرح انجام دے رہے ہیں، گو دعویٰ اس کا ہے کہ اب نہ قرون وسطیٰ کے تعصبات ہیں نہ وکٹورین عہد کے تسامحات بلکہ طرزِ فکر علمی، سنجیدہ اور سائنسی ہوگیا ہے۔

مغربی اہلِ قلم کی ایک پوری جماعت نے اپنے آپ کو دل و جان سے اس بات کے لئے وقف کردیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو پیغمبر اسلام، عقائدِ اسلام اور احکامات اسلام غرضیکہ

اسلام سے متعلق ہر شے کو منفی طور پر اور ایسا مسخ کر کے پیش کیا جائے کہ اسلام سے ناواقف کسی شخص کا دل اسلام کے مطالعے کی طرف مائل ہی نہ ہو۔ سچ کو اس طرح بار بار اور پرزور طریقے پر جھوٹ کہا جائے کہ رفتہ رفتہ دماغ اسے جھوٹ ہی سمجھنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان مصنفین کی ساری دلچسپی اس بات میں تھی کہ اسلام کو کس طرح مسخ کر کے پیش کیا جائے خواہ اس کے لئے تاریخ کا گلا گھونٹنا پڑے یا نت نئے افسانے تراشنے پڑیں۔

اسلام کی تصویر کو مجروح کرنے کے لئے مستشرقین کی نظر انتخاب سب سے پہلے سیرت طیبہ پر پڑی۔ ایسا کرنے میں کئی مصلحتیں تھیں۔ اسلام کا بنیادی مأخذ تو قرآن پاک ہے لیکن اوّل تو عربی سے ناواقفیت آڑے آئی اور دوسرے قرآن پاک سے متعلق بحث ہوتی بھی تو سراسر علمی جس سے عام مغربی قارئین کو کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ چنانچہ طے یہی پایا کہ سیرت طیبہ میں جابجا عامیانہ افسانوں کی آمیزش کی جائے اور اسے اس درجے سنسنی خیز بنادیا جائے کہ اس سے عوام الناس کو بھی دلچسپی پیدا ہو جائے اور ان کی اسلام دشمنی راسخ ہو جائے۔

سیرت طیبہ سے غیر معمولی دلچسپی اور اس باب میں قرونِ وسطیٰ کے اہل قلم کی تصانیف کی بہتات میں دخل ایک حد تک مغرب کی شخصیت پرست فطرت کو بھی ہے۔ یہی طبعی رجحان مغرب کے ان عقائد میں اس طرح جلوہ گر ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو اس نے ابن اللہ ٹھہرایا اور عیسائیت کو محض حضرت عیسیٰ کی سوانح کا پرتو قرار دیا۔

فی نفسہٖ تو یہ تصور بالکل صحیح ہے کہ سیرت طیبہ کے بھرپور مطالعہ ہی کی مدد سے مذہب اسلام کا ادراک ممکن ہے لیکن مستشرقین سیرت طیبہ پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے قارئین کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اسلام کی عملی صورت ہے تاکہ لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ اسلام کے خلاف معاندانہ لٹریچر اور تعلیمات سیرت کو مسخ کرنے کے مشن کا آغاز سینٹ جان (St. John) اندازاً 645ء - 749ء کی تحریروں سے ہوتا ہے۔ گو موصوف دمشق ہی کے باشندے تھے لیکن ان کی تصنیف Heresies سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے مبادیات تک سے ناواقف ہیں۔ ان کی تصانیف تنفر اور بغض و عناد سے عبارت ہیں۔ یہی انداز بیسویں صدی تک کی تصانیف میں پایا

جاتا ہے۔ سینٹ جان نے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے متعلق ہر ممکن غلط بیانی کو عین تاریخی واقعے کی شکل میں پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا مثلاً آنحضرت ﷺ سے بحیرہ راہب کی ملاقات کے واقعے میں ایسی رنگ آمیزی کی ہے کہ قاری کو گمان ہوتا ہے کہ اسلام دراصل عیسائیت ہی کی ایک مسخ شدہ شکل ہے۔ سینٹ جان کا تراشا ہوا یہ افسانہ آج مغرب کے مسلمات میں سے ہے۔

شاہ باسل اول (Emperor Basil I) کے حکم پر بازنطینی اہل قلم نسطاس (Nicetas) نے نویں صدی عیسوی میں ردّ اسلام میں ایک کتاب بعنوان Refutatio Mohammedis تصنیف کی۔ اس تصنیف کو تاریخ سے ذرا بھی علاقہ نہیں ہے۔ کتاب کے مندرجات کیا ہیں محض آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور شرانگیز اتہامات ہیں۔ اسی طرز فکر کی نمائندہ اس دور کی دوسری اور تصانیف مثلاً تھیوفینس (Theophanes) کی Chronicles سینٹ یولوجیس قرطبی کی Liber Apologeticus Maritwur اور سان پیڈرو پاسکال کی Sobre el Seton Mahometana ہیں ان تصانیف کا پھیلایا ہوا زہر رفتہ رفتہ مغرب کے ذہنوں میں سرایت کرتا چلا گیا۔

ادب سماج کا ہی آئینہ ہوتا ہے۔ کوئی ادیب پیدائشی طور پر خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، اپنے دور کے مسلمات سے کچھ نہ کچھ متاثر ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کا ادب خواہ وہ والتائر کا کلام ہو، الیگزنڈر کا یا ایمبریکو (Embrico) کی نظم A Vita Mahumeti ہو۔ اپنے زمانے کے تعصبات کی عکاسی کرتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے نمایاں مثال شہرۂ آفاق اطالوی شاعر دانتے (Dante) (1265-1321) کی ہے۔ نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے اوتار کی حیثیت سے دانتے کو مغرب میں آج تک پوجا جاتا ہے اور اس کی علم دوستی، فراخ دلی اور روشن دماغی کا چہار سو شہرہ ہے لیکن اس کی مشہور نظم Divine Comedy کے بعض حصے اسلام کے بارے میں ناقابل بیان حد تک شرمناک اور جہالت و تعصب کی بدترین مثال ہیں۔

قرون وسطیٰ کی ان تصانیف کے اس سرسری جائزہ سے یہی علم ہوتا ہے کہ ان مصنفین

کے پیش نظر بس یہی ایک مقصد تھا کہ کس طرح اس عظیم ہستی اور اس کے مقدس مشن کو داغدار کیا جائے تا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے لئے کوئی کشش باقی نہ رہے۔ دراصل کلیسا کے لئے یہی ایک راہ باقی تھی کیونکہ دلائل سے اسلام کے پیغام کو غلط ثابت کرنے کی تو اس میں سکت ہی نہیں تھی۔

جہاں تک ان مصنفین کے اعتراضات کا تعلق ہے ان میں سے ایک بھی دقیع علمی یا سنجیدہ انداز کا نہیں۔ کسی مصنف کو وحی اور نبوت ہی سرے سے غیر حقیقی محسوس ہوئی تو کسی کو آنحضرت ﷺ کے مکی اور مدنی ادوار کی زندگی میں تناقص نظر آیا۔ کسی نے آنحضرتؐ کے اخلاقی پہلو پر اعتراضات کئے تو کسی کو آنحضرت ﷺ کی کامیابی میں جادو کا ہاتھ کارفرما نظر آیا۔ ان مصنفین کو اسلام میں اول تو کوئی خوبی ہی نظر نہیں آئی اور اگر کسی بات کی تعریف بھی کی تو اس کے بارے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ بحیرہ راہب کی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ قرون وسطیٰ کی ان تصانیف کو بجا طور پر مجموعۂ خرافات کا نام دیا جا سکتا ہے۔

قرون وسطیٰ تو خیر بقول اہل مغرب کے ان کی تاریخ و تمدن کا تاریک دور (Dark Ages) ہے لیکن سیرت طیبہ سے متعلق ذہنوں پر چھائی ہوئی تاریکی کو نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی علمیت دور کر سکی نہ دورِ عقلیت (Age of Reason) کی عقلیت۔ دوسرے علوم و فنون میں یورپ نے واقعتاً عقل کی رہنمائی میں نئے نئے تجربات کئے اشیاء کو جانچا پرکھا، سائنسی مزاج اپنایا اور تہذیب و تمدن کے سرمائے میں بہت کچھ اضافہ کیا لیکن تاریخ اسلام اور آنحضرت ﷺ سے متعلق رویہ بدستور تنفر، تنگ نظری اور جہالت ہی کا رہا۔

سیرت کے ضمن میں ذکر دانتے کی نام نہاد علم دوستی اور روشن خیالی کا ہو چکا، اس سے بھی کہیں بڑھ کر جہالت کی کھلی ہوئی مثال شیکسپیر (1564-1616) کے ہاں نظر آتی ہے۔ وہی شیکسپیر جس کا نام آتے ہی اہل علم و فن گویا سربسجود ہو جاتے ہیں۔ شیکسپیر بلاشبہ عظیم فنکار ہوا ہے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ فطرت انسانی کی نباضی اور ادراک اس سے بڑھ کر کسی اور فنکار کے ہاں نہیں ملتا مگر دوسری طرف مذہب کے بارے میں شیکسپیر کی کم علمی کا اندازہ اس بات سے لگایئے

کہ وہ اپنے ایک تاریخی ڈرامے ہنری ششم (Henry VI) (ایکٹ اوّل منظر دوم سطر نمبر ۱۴۰) میں وحی کے بارے میں لکھتا ہے کہ ایک فاختہ نزولِ وحی کا فریضہ انجام دیتی تھی۔

مشہور انگریزی انشاء پرداز لارڈ بیکن (Bacon) (1561-1626) نے اس سے بھی کہیں بڑھ کر افسانہ طرازی کی ہے۔ پوری سنجیدگی کے ساتھ اور تاریخی واقعے کے طور پر اپنے ایک انشائیے "Of Boldness" میں طنزیہ اور استہزائیہ پیرایہ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ پہاڑ بھی ان کے مطیع ہیں اور ایک مجمع کی موجودگی میں اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے انھوں نے ایک پہاڑی کو حرکت کرنے کا حکم دیا لیکن جب پہاڑی میں جنبش نہیں پیدا ہوئی تو یہ جملہ کہا:

"If the hill will not come to Mahomet, Mahomet will go to the hill".

"اگر پہاڑ محمد ﷺ کے پاس نہیں آئے گا تو محمد ﷺ خود اس کے پاس جائیں گے"۔ اور یہ فقرہ آج تک انگریزی زبان میں بہ طور ضرب المثل رائج ہے۔

بیکن اور شیکسپیر کے مندرجہ بالا اقتباسات سے مقصود محض ان کی جہالت کو آشکارا کرنا نہیں بلکہ اس امر کی نشاندہی کرنا ہے کہ تعصبات جب ذہنوں میں راسخ ہوجاتے ہیں تو ان سے سماج کا کوئی طبقہ محفوظ نہیں رہتا اور یہی تعصبات رفتہ رفتہ عقائد کی شکل اختیار کرجاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس دور کی ساری تصانیف میں اسلام دشمنی اور واقعات سیرت کو حد درجہ مسخ کر کے پیش کرنے کی خصوصیات مشترک ہیں۔

اہل مغرب کی اسلام دشمنی کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ اوائل سترھویں صدی میں اصلاح (Reformation) تحریک کے زیر اثر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی باہمی مناظرہ بازی میں ایک فریق دوسرے کو مطعون کرنے اور مردود ٹھہرانے کے لئے جو انتہائی سخت الزام لگاتا تھا وہ یہ ہوتا تھا کہ فریق مخالف اسلام سے متاثر ہے۔ گویا اسلام سے کسی درجہ واقفیت یا تعلق عوام کے دلوں میں کراہیت اور تنفر پیدا کرنے کا مؤثر ترین حربہ تھا۔

سیرت طیبہ سے متعلق قرونِ وسطیٰ کے اہل قلم کی پھیلائی ہوئی جہالت کی ایک تاویل

یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ان مصنفین کو اسلام سے براہ راست واقفیت نہ تھی لیکن اٹھارویں صدی کے مصنفین کے لئے تو اسلام اور سیرت سے متعلق براہ راست مواد حاصل کرنے کے کہیں بہتر وسائل موجود تھے کیونکہ تقریباً تمام مغربی ممالک مثلاً ہالینڈ، انگلستان اور فرانس سے مسلم ممالک کے تجارتی تعلقات تھے اور خود مغربی اہل قلم میں عربی سے واقفیت اس حد تک پیدا ہوچکی تھی کہ 1649 میں قرآن پاک کے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے لیکن جب شرانگیزی ہی مقصود ہو تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں، کان بہرے ہوجاتے ہیں اور دماغ کھلی ہوئی حقیقتوں کو بھی نا قابل التفات ٹھہرانے لگتا ہے۔

سیرت طیبہ پر سترھویں صدی کی ایک اہم تصنیف ہمفری پریڈکس Humphery Prideaux کی The True Nature of Imposture Fully Displayed in the Life of Mahomet ہے۔ مندرجات کا اندازہ عنوان ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ 1698 تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے اور مقبول عام ہوئے۔ اس تصنیف کو مدتوں تک مغرب میں سیرت پر سند کا درجہ حاصل رہا، جارج سیل (Sale) کی عربی دانی بے شک اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان کے ترجمۂ قرآن (1734) کے حواشی بھی اپنے دور کے تعصبات ہی کے آئینہ دار ہیں، ایسے تعصبات کا بڑا نمایاں عکس اس دور کے دوسرے اہم فرانسیسی مترجم قرآن Savary کے ترجمۂ قرآن (1752) کے ان حصوں میں بھی پایا جاتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک آیا ہے۔ نامور مؤرخ ایڈورڈ گبن (Gibbon) بھی ان تعصبات سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف The Decline and the Fall of the Roman Empire مغربی معیاراتِ تاریخ نویسی کے اعتبار سے یقیناً بلند پایہ ہے لیکن آنحضرت ﷺ سے متعلق ان کی آراء اپنے دور کے تعصبات کی پیداوار ہیں۔

اسلام دشمنی اور واقعات کو مسخ کرنے کی بدترین اور گھناؤنی مثال فرانسیسی اہل قلم والتائر (Voltaire) کے ہاں ملتی ہے۔ سیرت پر ان کا ڈرامہ Le Fanatisme ou Mahomet le Prophet (1742) اس دور کے تعصبات اور خرافات کا نقطۂ عروج ہے۔ اس کے مندرجات ایسے پست سطحی اور رکیک ہیں کہ ان کا ذکر تک کرنا مشکل ہے۔ صدیوں پر محیط اس پورے دور

میں ایک حد تک سلجھے ہوئے انداز کی مثال صرف جرمن شاعر گوئٹے (Goethe) کی نظم "Mahomets Gesang" (1773) میں پائی جاتی ہے لیکن تعصبات سے بالکل بری یہ نظم بھی نہیں۔

قصہ مختصر اٹھارویں صدی کے آخر تک ایک پورا دفتر کا دفتر اس مضمون کا تیار ہوگیا کہ اسلام لغویات سے پُر اور خوبیوں سے قطعاً عاری ایک مذہب کا نام ہے اور سیرت طیبہ سے متعلق بھی یہ تصورات اہل مغرب کے ذہنوں میں خوب رچ بس گئے کہ نبوت کا دعویٰ باطل تھا اور وحی کی نہ کوئی اصلیت ہے نہ جواز اور یہ ذات گرامی ﷺ کسی اعتبار سے بھی قابل ذکر یا قابل تقلید نہیں۔ اسی طرح یہ عقیدہ بھی اہل مغرب کے شعور میں خوب راسخ ہوگیا کہ اسلام کو جو کچھ بھی کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں وہ محض بزور شمشیر ورنہ کیا اخلاقی کیا روحانی ہر اعتبار سے یہ مذہب قابل نفرت ہے، غرضیکہ ظہور اسلام کے گیارہ سو سال بعد بھی رویہ بدستور معاندانہ رہا اور یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تصانیف قرونِ وسطیٰ کے تعصبات کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہیں۔

وکٹورین اور جدید دور کی تصانیف

انیسویں صدی کے مغرب کی زندگی میں صنعتی انقلاب اور جمہوریت وغیرہ کی تحریکوں کے زیر اثر ہر ہر میدان میں انقلاب آئے لیکن اسلام اور سیرت طیبہ سے متعلق طرزِ فکر بنیادی طور پر وہی رہا جو قرونِ وسطیٰ میں تھا۔ اتنا فرق ضرور ہوا کہ واقعات کو مسخ کرنے کے انداز میں ایک نوع کا سلیقہ آگیا۔ جو بات پہلے براہ راست اور دوٹوک الفاظ میں کہی جاتی تھی وہ اب بین السطور کہی جانے لگی۔ لیکن رویہ رہا بدستور تعصبات اور بغض وعناد ہی کا۔

اس دور کی تصانیف کا نکتہ آغاز مشہور مغربی اہل قلم ٹامس کارلائل (Thomas Carlyle) (1795-1881) کے خطبات کو سمجھ لیجئے تاریخ کے تقاضوں سے مجبور ہوکر کارلائل نے آنحضرت ﷺ کا شمار تو یقیناً تاریخ کے اہم ترین افراد میں کیا لیکن اس عظمت کو تسلیم کرنے میں بڑے قیل وقال سے کام لیا۔ ان کے خطبات میں جابجا ایسے الزامات اور اتہامات ملتے ہیں

جو قرونِ وسطیٰ کے تعصبات پر مبنی ہیں۔

سیرت طیبہ سے متعلق ایک قابل ذکر کام اس دور میں یہ ہوا کہ ابتدائی سیرت نگاروں مثلاً ابن ہشام، واقدی اور ابن سعد کے تراجم مغرب میں شائع ہوئے۔ مترجمین میں نمایاں شخصیتیں جرمن مستشرقین فان کریمر (Van Kremer) اور اسپرنگر (Sprenger) کی ہیں۔ سیرت پر اس دور کی اہم تصانیف ویل (Weil) کی Mohammed der Prophet, Sein Leben Und Sein Lehre (1843) اور پرسی ویل کی Essai su'l historie der Arabes (1847) ہیں۔ میور (Muir) اور دوسرے متعدد مستشرقین کے لئے یہ دونوں تصانیف مدتوں تک سرچشمۂ ہدایت بنی رہیں جب کہ ان مصنفین کی علمیت کا عالم یہ ہے کہ ان کو اسلام بہ طور ایک مذہب اور تاریخی حقیقت کے سرے سے تسلیم ہی نہیں۔ دراصل دونوں نے اسلام کو عیسائیت اور یہودیت کی ایک مسخ شدہ شکل قرار دیا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں اسپرنگر نے سیرت طیبہ سے متعلق ایک نئے طرز فکر کی طرح ڈالی، چونکہ موصوف علم طب میں سند یافتہ تھے لہٰذا انھوں نے نزول وحی کی کیفیت کو صرع یعنی مرگی کے مرض سے تعبیر کیا۔ اس موضوع پر ان کی تصنیف Das Leben und die Lehredes Mohammed (1861-1865) ایک عرصہ تک مرجع عوام وخواص رہی۔ ایک نہیں متعدد اہل قلم نے اسپرنگر کے اس مفروضے کو عین حقیقت تسلیم کر کے نبوت اور سیرت پر خوب حاشیہ آرائی کی۔ اس طرزِ فکر کی نمائندہ کتابوں میں ڈاکٹر فرانز بہل (Dr. Franz Buhl) کی Muhammad's Liv (1903) آئر لینڈ کی On the Hallucination of Mohammed (1886) اور ڈاکٹر میکڈانلڈ (Dr. MacDonald) کی Aspects of Islam (1911) شامل ہیں۔

سر ولیم میور (Sir William Muir) نے ایک دوسرا ہی فتنہ کھڑا کیا۔ ان کی تصنیف (A Life of Mahomet) (1861) کا مرکزی خیال یہ ہے کہ نعوذ باللہ اسلام اور آنحضرت ﷺ سے زیادہ تہذیب وتمدن اور آزادی کا مخالف اور کوئی نہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے تعصبات سے پُر اس

تصنیف کو اہل مغرب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خود موصوف کی زندگی ہی میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ اپنے مندرجات سے کہیں بڑھ کر یہ تصنیف اس اعتبار سے فتنہ سامانی کا باعث بنی کہ میور کی اس تصنیف سے متاثر ہو کر مغرب میں درجنوں کتابیں شائع ہوئیں اور آج تک ہو رہی ہیں۔

چونکہ سیرت طیبہ کے بنیادی مآخذ قرآن پاک اور احادیث ہیں لٰہذا مستشرقین کے ایک جتھے نے ان بنیادی مآخذوں کو ہی مشکوک ٹھہرادیا تاکہ سیرت کی تاریخیت اور اس کا پیغام دونوں ہی بے معنی ہو کر رہ جائیں، اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے انھوں نے لبادہ تو محققین کا اوڑھا لیکن شعوری اور لاشعوری طور پر ان کی فکر بھی قرونِ وسطیٰ کے اولین اہل قلم سے مختلف نہیں، افسانوں کو تاریخی رنگ میں پیش کرنا دونوں کی مشترک خصوصیت ہے۔ مستشرقین کی اس صف میں گولڈزیہر (Goldziher) اور ہنری لیمنس (Henri Lammens) نمایاں نظر آتے ہیں۔ گولڈزیہر کے مطابق بیشتر احادیث ضعیف اور تاریخی اعتبار سے ناقابل اعتبار ہیں اور لیمنس کے مطابق آنحضرت ﷺ کی شخصیت اور واقعات کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

بیسویں صدی کے شروع میں مغرب میں سیرت سے متعلق ایک اور خیال خوب مقبول ہوا۔ اس طبقۂ خیال کے مصنفین کو تاریخی اعتبار سے اسلام اور آنحضرت ﷺ کی کامیابی تسلیم ہے لیکن کامیابی انھیں اسلام کے ہمہ گیر انقلابی پیغام اور آنحضرت ﷺ کی مثالی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ظہور اسلام کے زمانے کے مخصوص سماجی اور معاشی عوامل کے سبب نظر آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مصنفین کی نگاہ میں آنحضرت ﷺ کا مقام بس ایک ایسے ذہین سیاسی رہنما کا ہے جس نے اپنی سیاسی بصیرت سے اپنے سماج کے کمزور اور غریب طبقوں کی آرزوں اور مفادات کو مدّ نظر رکھ کر ایک نیا پیغام پیش کیا جس نے مروجہ سیاسی اور معاشی نظام کو تہہ و بالا کر ڈالا اور اس طرح آنحضرت ﷺ نے خود اقتدار کامل بھی حاصل کر لیا۔ گویا اسلام محض معاشی بنیادوں پر قائم کیا ہوا ایک نظام ہے اور آنحضرت ﷺ اس کے پُر جوش اور کامیاب بانی۔ اس انداز فکر کا نقطۂ عروج ڈیوڈ مارگولیتھ (David Margoliouth) کی متعدد تصانیف ہیں مثلاً موصوف کی

Encyclopaedia of نیز (1905) Mohammed and the Rise of Islam
کیمبرج Encyclopaedia Britannica اور (1953) ایڈنبرا Religion and Ethics
(1910) میں شائع شدہ ان کے مضامین جو آج تک اہل مغرب کے ذہنوں پر اپنے مسموم اثرات
مرتب کررہے ہیں۔ کم وبیش یہی نقطہ نظر اطالوی مستشرق لیون کیٹانی (Leon Caetani) کی
تصنیف Annali dell's Islam (1907) میں بھی نظر آتا ہے۔

بیسویں صدی کے مشہور مؤرخ ٹوئن بی Arnold Toynbee کی گو سیرت طیبہ
پر کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے لیکن ان کی A Study of History (1961)
میں جہاں کہیں بھی آنحضرت ﷺ کا ذکر آیا ہے وہاں تعصب پوری طرح نمایاں ہے۔ ٹوئن
بی کو تضاد اور تناقص آنحضرت ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کے ادوار میں نظر آیا ہے اور یہ نکتہ
اعتراض یک ٹوئن بی ہی پر کیا موقوف کم وبیش ہر مستشرق کی تصنیف میں موجود ہے۔ دین
اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے اور یہ عقیدہ رکھنے والی قوم پر کہ: ''جو کچھ قیصر کا ہو وہ
اسے دے دو اور جو کچھ خدا کا ہے خدا کے حوالے کردو''۔ اس پر یہ حقیقت کسی طرح واضح
نہیں ہوتی کہ کسی مذہبی نظام میں دین ودنیا کی وحدت بھی ممکن بلکہ ضروری ہے۔

غرضیکہ تصانیف خواہ قرونِ وسطیٰ کی ہوں یا جدید ہوں سیرت طیبہ کے واقعات کو
غلط انداز میں پیش کرتی ہیں۔ مستشرقین کی تصانیف سے مسلم محققین کی واقفیت بہت
ضروری ہے تاکہ وہ ان کا ردّ کرکے اور اسلامی تعلیمات کو صحیح انداز میں پیش کرکے لوگوں
کو مستشرقین کے شرانگیز اثرات سے محفوظ رکھ سکیں۔ چونکہ خود مسلمانوں کے ایک طبقے کا
اسلام سے واقفیت کا دارومدار ان ہی تصانیف پر ہے اس لئے یہ قدم اٹھانا اور بھی زیادہ
ضروری ہے۔

☆

منتخبہ کتابیات

انگریزی تراجم قرآن

ا۔ ترجمہ قرآن مجید کے جواز اور ترجمے کے مسائل پر:

Abdel Rahman, Ai'sha, "The Problem of Synonyms in the Light of Qur'an", in *Proceedings of Twenty-sixth Congress of Orientalists*, vol. IV, 1970, 185-86.

Arberry, A. J., "Synonyms and Homonyms in the Qur'an", *Islamic Quarterly* 13 (1969), 135-139.

Awwal, Muhammad B., "Plaudits and Pitfalls in Translating the Quran", Parts I and II, *Muslim World League Journal*, Nov-Dec 1988, 11-15 and March-April 1989, 47-49.

Ayoub, M., "Translating Meanings of the Quran: Traditional Opinions and Modern Debates", *Afkar Inquiry*, London, 3:5 (May 1986), 34-39.

Blankinship, K.A.Y., "Some Problems in Translating the Quran with Reference to Rhetorical Features", Unpublished MA Dissertation, 1975.

El-Tayeb, Khadiga Karar el-Shaikh, "Principles and Problems of the translation of Scriptures", Unpublished

Ph.D. dissertation, Temple University 1985.

- Haq, Mushirul, "Translating the Quran: Human Longing for Knowing God's Mind", *Islam and the Modern Age* (New Delhi), 20:1, 1989, 1-12.
- Irving, T.B., "Terms and Concepts: Problems in Translating the Quran" in *Islamic Perspectives: Studies in Honour of Mawlana Saiyyid Abul A'la Mawdudi*, edited by Ahmad, Khurshid and Ansari, Z.I., (Leicester, Islamic Foundation, 1979), 121-134.
- Johns, A. H., "Qur 'anic Translation: Some Remarks and Experiments", *Milla wa-Milla* 18 (1978), 37-51.
- Khalifa, Mohammad, "Translation: Tried and True? The Quran in English: with Cautionary Points to Consider", *The Message International*, Jamaica, NY, 20:2, 1995, 26, 38.
- Khogali, Hisham, "Can Loss of Meaning be Reduced in the Translation of the Meanings of the Holy Quran", Unpublished Ph.D. dissertation. Washington International University, 1998.
- Pickthall, M.M., "Arabs and non-Arabs and the Question of Translating the Quran", *Islamic Culture* 5(1931), 422-433.
- Shakir, Muhammad, "On the Translation of the Koran into Foreign Languages", *Muslim World*, 16 (1926), 161-165.
- Shellabear, W.G., "Can a Muslim translate the Koran?", *Muslim World*, 21(1931), 287-303.
- Shurafa, Nuha Suleiman, "The Role of Syntax and Semantics in the Translation of the Qur'an: Six English Versions of the Last Verse of Surah al-Baqarah", *Tarjuman* 4

ii (1995), 43-55.

Tibawi, A.L., "Is the Quran Translatable?", *Muslim World*, 52 (1962), 4-16.

۲۔ انگریزی تراجم قرآن مجید کی کتابیات

Hamidullah, M., *Liste des traductions de Coran*, Paris, 1980.

______, *The Quran in Every Language*, Hyderabad, India, 1939.

Ihsanoglu, Ekmeleddin (Ed.), *World Bibliography of Translations of Meanings of the Holy Quran: Printed Translations 1515-1980*, Istanbul, Turkey, OIC Research Centre for Islamic History, 1986.

Kidwai, Abdur Raheem, *Bibliography of the Translations of the Meanings of the Glorious Quran into English: 1649-2002*, Madina, Saudi Arabia, Ministry of Islamic Affairs, King Fahd Quran Printing Complex, 2007.

Tadros, Fawzi Mikhail, *The Holy Koran in the Library of Congress: A Bibliography*, Washington, Library of Congress, 1993.

۳۔ انگریزی تراجم قرآن / مترجمین کے بارے میں تنقیدی مطبوعات

Adams, Charles, J., "Abul Ala Mawdudi's Tafhim al-Quran", in Andrew Rippin (ed.), *Approaches to the History of the Interpretations of the Quran*, Oxford, Clarendon, 1988, 307-24.

Ali, Muhammad Mohar, *The Quran and the Orientalists*,

Norwich, UK, Jamiyat Ihyaa Minhaaj al-Sunnah, 2004.

Ali, Salah Salim, "Misrepresentation of some ellipted structures in the translation of the Qur'an by A. Y. 'Ali and M M Pickthall", *Hamdard Islamicus*, 17 iv (1994), 27-33.

Arafat, Q., *Incorrect Equivalents Chosen by Yusuf Ali in His Translation of the Quran*, Leicester, UK, 1991.

Badr, Basim Muflin, "A Critique of Six English Translations of a Quranic Text" *Islamic Culture* 68:3, (July 1994), 1-17. (A Critique of the Enlgish Translation of Surah al-Kafirun by Arberry, Rodwell, Pickthall, Muhammad Ali, Abdullah Yusuf Ali and N.J. Dawood).

Bar-Asher, Meir M., "Variant Readings and Additions of the Imami-Shi'i to the Quran", *Israel Oriental Studies*, Leiden, The Netherlands, Vol. 13, 1993, 39-74.

Chaudhary, Mohammad A., "Orientalism on Variant Readings of the Quran: The Case of Arthur Jeffery", *The American Journal of Islamic Social Sciences*, Herndon, VA, 12:2, 1995, 170-84.

Fitzgerald, Michael L., "Shi'ite Understanding of the Quran", *Encounter*, Rome, No. 178, October 1991, 3-12.

Greifenhagen, F.V., "Traduttore Traditore: An Analysis of the History of English Translations of the Quran", *Islamic and Christian-Muslim Relations*, 3:2, (December 1992), 274-291.

Hammad, Ahmad Zaki, "Representing the Quran in English", *The Gracious Quran: A Modern-Phrased Interpretation in English*, Lisle, LA, USA, Lucent, 2007, 67-87.

Iqbal, Muzaffar, "Abdullah Yusuf Ali and Muhammad Asad:

Two Approaches to the English Translations of the Quran", *Journal of Quranic Studies*, 11:1 (2000), 107-123.

- Iqbal, Muzaffar, "Towards Understanding the Qur'an: A New Translation of the Glorious Qur'an", *Journal of Muslim Minority Affairs*, vol. 19, 1999, 131-33.
- Kidwai, Abdur Raheem, "Abdullah Yusuf Ali's Views on the Quranic Eschatology", *Muslim World League Journal*, 12:5, (February 1985), 14-17.
- Kidwai, Abdur Raheem, "Arberry's The Koran Interpreted", *Hamdard Islamicus*, 10:3, (1988), 71-75.
- Kidwai, Abdur Raheem, "Mawlana Daryabadi and the Quranic Exegesis", *Hamdard Islamicus*, 7:2, (1985), 63-70.
- Kidwai, Abdur Raheem, "Some Recent English Translations of the Quran: 1985-1993", *Muslim World League Journal*, 21:6-8, (December 1993 / January 1994 and February 1994).
- Kidwai, Abdur Raheem, *Translating the Untranslatable: A Critical Guide to 60 English Translations of the Quran*, New Delhi, Sarup Publishers, 2011.

Majlisul Ulama of South Africa, *A Discussion of the Errors of Yusuf Ali*, Transval, South Africa, n.d.

Mohammed, Khaleel, "Assessing English Translations of the Quran", *Middle East Quarterly* 122, (Spring 2005), 58-71.

Nadvi, Abdullah Abbas, *Translations of the Meanings of the Holy Quran and the Development of Its Understanding in the West*, Makkah, Muslim World League, 1996.

Rizvi, Ameenul Hasan, "Some Errors in 'Abdullah Yusuf 'Ali's

English Translation of the Holy Qur 'an", *Muslim and Arab Perspectives Ii* (1993), 4-19.

Robinson, Neal, "Sectarian and Ideological Bias in Muslim Translations of the Quran", *Islam and Christian-Muslim Relations*, 8:3 (1997), 261-278.